الرسالہ

سرپرست
مولانا وحید الدین خاں

دوسروں کے شر سے اپنے کو محفوظ رکھنے کا
سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ______
آدمی اپنے شر سے دوسروں کو محفوظ رکھے

شمارہ ۴۷
دسمبر ۱۹۷۹

زرتعاون سالانہ ۲۴ روپے
خصوصی تعاون سالانہ ایک سو روپے
بیرونی ممالک سے ۱۵ ڈالر امریکی

قیمت فی پرچہ
۲ دو روپے

الرسالہ

دسمبر ۱۹۷۹ شمارہ ۳۷

جمعیۃ بلڈنگ □ قاسم جان اسٹریٹ □ دہلی 110006

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ اعلانِ آخرت کا مشن ہے

الرسالہ کا مقصد کیا ہے —— یہ بتانا کہ اے لوگو! تم بہت جلد مرنے والے ہو۔ اس کے بعد دو انتہائی انجاموں میں سے کوئی ایک انجام تمھارے سامنے ہوگا: یا جنت یا جہنم۔ اس سنگین حقیقت کو سمجھ کر دنیا میں رہو، جو کچھ کرو یہ سمجھ کر کرو کہ تمھارا عمل تم کو یا تو آگ کی طرف لے جا رہا ہے یا باغوں والی زندگی کی طرف۔ الرسالہ کا ادارہ نہ اعلانِ برکت کے لئے قائم کیا گیا ہے اور نہ اعلانِ سیاست کے لئے۔ اس کا مقصد نہ اعلانِ ملت ہے اور نہ اعلانِ انسانیت۔ اس کو نہ اعلانِ شخصیت سے دل چسپی ہے اور نہ اعلانِ قومیت سے۔ الرسالہ کا مقصد صرف ایک ہے اور وہ آخرت کے آنے والے دن سے لوگوں کو باخبر کرنا ہے۔

آخرت کا اعلان وہ مقصد ہے جس کے لئے پیغمبر دنیا میں بھیجے گئے۔ الرسالہ کے ساتھ تعاون کرنا پیغمبرانہ مشن کے ساتھ تعاون کرنا ہے۔ الرسالہ کے ساتھ تعاون کیجئے، موجودہ زمانہ میں پیغمبرانہ مشن کو زندہ کیجئے۔

الرسالہ کے دفتر میں ٹیلی فون لگ گیا ہے۔ نمبر یہ ہے ۲۶۲۳۳۱

قربانی اسلام میں

روایات میں آتا ہے کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ما ھٰذہ الاضاحی یا رسول اللہ (اے خدا کے رسول یہ قربانیاں کیا ہیں) آپ نے جواب دیا: سنۃ ابیکم ابراھیم (یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ کا طریقہ ہے) گویا عید اضحیٰ میں جانور کو ذبح کرنا اس عظیم تاریخی واقعہ کی یاد تازہ کرنا ہے جو چار ہزار سال پہلے پیش آیا۔ قربانی، حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کو اپنا آئیڈیل بنانے کا عزم ہے۔ یہ ایک وقتی قسم کی سالانہ رسم نہیں بلکہ مستقل زندگی کا ایک سالانہ مظاہرہ ہے۔ قربانی کی عبادت کو آدمی اگر اس کی اصلیت کے اعتبار سے سمجھ کر ادا کرے اسی وقت اس سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ وہ سال بھر تک اس کے پیغام کو اپنی زندگی میں دہرائے گا۔ اور اگر وہ قربانی کے دن اس کے اصلی مفہوم کو سامنے نہ رکھے تو سال کے بقیہ دنوں میں کیسے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو اس کا نمونہ بنائے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۱۶۰ ق م میں عراق کے ایک قدیم شہر اُر میں پیدا ہوئے۔ تورات کے بیان کے مطابق آپ نے ۱۷۵ سال کی عمر پائی۔ آپ کی قوم اس زمانہ میں سورج کو پوجتی تھی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس کو جو کچھ مل رہا ہے سورج سے مل رہا ہے۔ آپ نے کہنا شروع کیا کہ سورج اور ستارے سب ایک خدا کی مخلوق ہیں۔ تم لوگ خالق کو پوجو اور اسی سے لو لگاؤ۔ آدمی جس چیز کو مقدس سمجھ لے اس کے بارے میں وہ بہت حساس ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قوم آپ کی دشمن ہو گئی۔ توحید کا داعی بننے کی آپ کو یہ قیمت دینی پڑی کہ آپ کے لئے اپنے وطن میں رہنا مشکل ہو گیا۔ دوست اور رشتہ دار سب آپ کے مخالف ہو گئے۔ وقت کے حکمراں طبقہ نے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ مگر خدا نے اپنی خصوصی مدد سے آپ کو بچا لیا۔ جب پوری قوم نے آپ کو رد کر دیا تو بالآخر آپ اپنے وطن سے نکل پڑے۔ صرف آپ کی بیوی اور آپ کے بھتیجے (حضرت لوطؑ) نے آپ کا ساتھ دیا۔ آپ شام، فلسطین، شرق اردن، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ کوئی انسانی بستی ایسی نہیں ملی جو آپ کی دعوتِ توحید کو قبول کرے۔ بالآخر آپ حجاز کے ایک غیر آباد مقام (موجودہ مکہ) پر پہنچے اور خدا کے بھروسہ پر وہاں ریگستان میں اپنے بیوی بچوں کو بسا دیا۔

اب حضرت ابراہیم بوڑھے ہو چکے تھے وہ خدا کی راہ میں اپنی ہر چیز لٹا چکے تھے۔ گھر، خاندان، جائداد، مال، وطن، کوئی چیز نہ تھی جس کو انھوں نے خدا کے حضور پیش نہ کر دیا ہو۔ حتیٰ کہ آگ میں ڈالے جانے والے واقعہ کی صورت میں گویا اپنی جان بھی آپ قربان کر چکے تھے۔ تاہم ایک آخری قربانی ابھی باقی تھی۔ یہ عزیز بیٹے کی قربانی تھی۔ چھیاسی سال کی عمر میں آپ کو پہلی اولاد ملی تھی۔ فطری طور پر اکلوتا ہونہار بیٹا آپ کو ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا۔ بوڑھے باپ کی تمناؤں کا یہ مرکز جب بڑا ہوا اور باپ کے ساتھ دوڑنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو خواب کی صورت میں خدا کا حکم آیا کہ اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کر دو۔ تنہائی اور مشقت کی ایک پوری عمر گزارنے کے بعد جو ایک سہارا نصیب ہوا تھا اس کو بھی توڑ دینے کا حکم ہو گیا۔ اور وہ بھی اس طرح کہ خود اپنے ہاتھ سے اس کو توڑا جائے۔ بوڑھے باپ نے خدا کے حکم کی تعمیل

میں اپنے عزیز بیٹے کی گردن پر چھری رکھ دی۔ عین اس وقت خدا کی طرف سے آواز آئی کہ بس تم نے اپنا خواب پورا کر دیا۔ اس کے بعد فرشتہ نے آپ کو ایک مینڈھا پیش کیا اور آپ نے اپنے بیٹے کے فدیہ میں مینڈھے کو خدا کی راہ میں ذبح کیا۔ یہ واقعہ ہجری ماہ ذی الحجہ کی دس تاریخ کو پیش آیا۔ اس لئے دنیا بھر کے مسلمان اس تاریخ کو جانور کی قربانی کرتے ہیں۔ یہ قربانی گویا خود اپنی جان کا فدیہ ہے۔ اس طرح قربانی کرنے والا گویا عمل کی زبان میں کہتا ہے کہ خدایا ہماری جانیں تیرے لئے حاضر ہیں۔ آج ہم اپنی حوالگی کی علامت کے طور پر جانور کو پیش کر رہے ہیں اور ہر وقت اس کے لئے تیار ہیں کہ جب بھی تیرا حکم ہو اپنے آپ کو اور اپنے اثاثہ کو تیری خدمت میں پیش کر دیں۔

ہر بالغ مسلمان جو صاحب نصاب ہو اس کے اوپر قربانی واجب ہے۔ قربانی کے لئے تندرست اور فربہ جانور منتخب کرنا چاہئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سمنوا ضحایاکم فانہا علی الصراط مطایاکم (اپنی قربانی کے جانوروں کو فربہ کرو۔ کیوں کہ وہ پل صراط پر تمہاری سواری ہوں گے) یہ تمثیل کی زبان میں اس بات کی تلقین ہے کہ قربانی کے لئے آدمی کو پورا اہتمام کرنا چاہئے۔ ٹھیک ویسے ہی جیسے دنیا کے سفر میں آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ اچھی سے اچھی سواری کو اپنے لئے منتخب کرے۔ دنیا کی چیزوں میں آدمی جس طرح اہتمام کرتا ہے اسی طرح اس کو ان چیزوں میں بھی اہتمام کرنا چاہئے جو آخرت میں کام آنے والی ہیں۔ جس طرح دنیا کے سفر میں اچھی سواری بخیر و خوبی منزل تک پہنچنے کی ضمانت ہوتی ہے اسی طرح آخرت کے سفر میں بھی وہی شخص سلامتی کے ساتھ منزل تک پہنچے گا جس نے اس کے لئے اپنے امکان کے مطابق "اچھی سواری" کا انتظام کیا ہو۔ ناقص سواری کے ساتھ نہ دنیا کا سفر کامیابی کے ساتھ طے ہو سکتا ہے اور نہ آخرت کا۔

مستحب یہ ہے کہ جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ نذر یا تحفہ آپ کسی ہرکارہ کے ذریعہ بھی بھیج سکتے ہیں۔ مگر وہ نذر جو کسی بڑی ہستی کے پاس بھیجی جا رہی ہو اس کو آدمی خود لے کر حاضر ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کرتا کہ کسی کو چند روپے دے اور کہے کہ بازار سے خرید کر اس کو فلاں صاحب تک پہنچا دینا۔ قربانی محض جانور کا ہدیہ نہیں بلکہ جذبات کا ہدیہ ہے اور اپنے جذبات کا ہدیہ آدمی اپنی ذات ہی کے ذریعہ پیش کر سکتا ہے۔ قربانی کرتے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے وہ یہ ہے: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ (میں نے اپنا رخ کر لیا اس ذات کی طرف جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، بالکل یکسو ہو کر۔ اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ بے شک میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور میری موت خدا ہی کے لئے ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کرتا ہوں۔ خدایا تجھ ہی نے دیا ہے اور تیرے ہی لئے قربانی کر رہا ہوں) اس دعا کے الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قربانی کے وقت قربانی کرنے والے کی کیفیات کیا ہونی چاہئیں۔ یہ دعا دراصل مومن کی نفسیاتی حالت کی تصویر ہے۔

قربانی کرنے والا حقیقت میں وہ ہے جو خود اپنی جان کو لے کر مذبح میں پہنچ گیا ہو، جیسے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے

عزیز بیٹے کو ذبح کے لئے لٹا دیا تھا۔ اور جانور کو ذبح کرنا گویا یہ معنی رکھتا ہے کہ خدا نے از راہ کرم ایک جانور بھیج دیا ہے کہ اس وقت تم اپنی جان کے بدلے اس کو ذبح کردو۔ قربانی حضرت ابراہیم کے واقعہ کی تمثیل ہے کسی کی قربانی اللہ کی نظر میں اسی وقت قربانی ہے جب کہ وہ ابراہیمی روح کے ساتھ ادا کی گئی ہو۔

"میری نماز اور میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز آدمی کی زندگی کی علامت ہے اور قربانی آدمی کی موت کی علامت۔ نماز میں آدمی اللہ کی طرف رخ کرتا ہے۔ وہ اپنے جسم کے خیال کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ یہی روح اس کی تمام سرگرمیوں میں مطلوب ہے۔ اس کو دنیا میں اس طرح رہنا ہے کہ اس کی زندگی خدارخی زندگی بن گئی ہو، جس طرح اس کی نماز خدارخی نماز ہوتی ہے۔ یہی معاملہ قربانی کا ہے آدمی پر موت اس طرح آنی ہے کہ اس کی موت قربانی کی موت بن گئی ہو۔ اس کا مرنا عام معنوں میں طبعی عمر پوری کرکے مرجانا نہ ہو بلکہ قربانیوں کی ایک مسلسل زندگی کی تکمیل ہو۔ جانور کی قربانی اس بات کا ایک علامتی عزم ہے کہ آدمی اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ کھپاتا رہے گا، یہاں تک کہ اسی حالت میں اس کا خاتمہ ہو جائے۔

جانور کے ذبح کے فوراً بعد یہ دعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّی کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَحَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ عَلَیْھِمَا الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ (خدایا میری طرف سے اس قربانی کو قبول فرما جس طرح تو نے اپنے خلیل ابراہیمؑ اور اپنے حبیب محمدؐ سے قبول فرمایا تھا) اس طرح ہم کو بشکل دعا یہ بتایا گیا کہ قربانی کی قبولیت کے لئے اسی جذبۂ فدائیت کی ضرورت ہے جو سیدنا ابراہیمؑ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پیدا ہوئی۔ قربانی کی قبولیت کا راز یہ ہے کہ اس کے پیچھے حقیقی فداکاری کی روح پائی جاتی ہو، وہ فداکاری جو اپنی کامل صورت میں خدا کے نبیوں نے پیش کی۔ قربانی اسی کی قربانی ہے جس نے روزانہ کی زندگی میں اپنے کو قربان کر رکھا ہو نہ کہ سال میں ایک دن جانور کو ذبح کر دینا۔ ابراہیمی قربانی یہ ہے کہ خدا کی راہ میں سب کچھ دے دینے کے بعد آدمی کے پاس صرف اس کی جان رہ گئی تھی جس کو لے کر وہ خدا کے یہاں حاضر ہو گیا، مگر خدا نے اپنی رحمت و شفقت کی بنا پر اس کی جان کے بدلے جانور کی قربانی قبول کرلی۔ قربانی کی حقیقت آخری متاع کو بھی اللہ کی راہ میں دے دینا ہے، نہ یہ کہ آدمی آخری متاع تک ہر چیز اپنے پاس بچائے رکھے اور سال میں صرف ایک جانور خدا کے نام پر ذبح کر دیا کرے۔

قربانی کی حقیقت کے بارے میں قرآن میں ارشاد ہوا ہے: لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَاؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ (خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ خدا کو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے) گویا خدا کے یہاں جس چیز کی قدر ہے وہ خدا سے ڈرنے والا دل ہے نہ کہ کوئی چوپایہ۔ چوپایہ کی قربانی تو محض دل کی اندرونی حالت کی ایک ظاہری علامت ہے۔ اگر دل کے اندر مطلوب حالت موجود نہ ہو تو اوپر اوپر جانور کو ذبح کر دینا ایسا ہی ہے جیسے دکان کے اندر سامان موجود نہ ہو اور اس کے باہر فرضی طور پر ایک سائن بورڈ لٹکا دیا جائے۔

نوٹ: یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی سے ۲۸ اکتوبر ۱۹۷۹ کو نشر کی گئی۔

نماز میں خشوع کیسے آتا ہے

"نماز دراصل وہی ہے جو خشوع کی نماز ہو" ایک صاحب نے کہا "میں جب نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو بہت کوشش کرتا ہوں کہ خشوع کے ساتھ نماز پڑھوں۔ مگر میری نماز خشوع کی نماز نہیں بنتی"

جواب یہ ہے کہ خشوع کی نماز اس طرح کسی کو حاصل نہیں ہوتی کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہو تو اپنے اوپر خشوع طاری کرنے کی کوشش کرے۔ نماز کا خشوع دراصل ایک مسلسل واقعہ کا وقتی ظہور ہے۔ آدمی جب نماز سے پہلے کی زندگی میں اللہ کے آگے اپنے کو جھکائے ہوئے ہو تو اس کا یہ جھکاؤ اس کی نماز میں مزید کیفیات کے ساتھ ابھر کر وہ چیز بن جاتا ہے جس کو خشوع کہتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر آدمی کا حال یہ ہو کہ وہ نماز سے باہر غیر خاشعانہ زندگی گزار رہا ہو تو نماز میں وقتی طور پر وہ خاشع نہیں بن سکتا۔ ایک شخص ہے جس سے کسی کو محبت ہے تو اس محبت کرنے والے کے ساتھ ہی یہ واقعہ پیش آئے گا کہ اس کی یاد سے اس کا دل بھر آئے۔ اس کے برعکس جس کو اس شخص سے کوئی لگاؤ نہ ہو وہ وقتی تدبیر سے اس کی خاطر رونے والا نہیں بن سکتا۔

ایک شخص لوگوں کے درمیان تواضع کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور دوسرا شخص ڈھٹائی کا۔ ایک شخص معاملات میں انصاف کرتا ہے اور دوسرا بے انصافی سے پیش آتا ہے۔ ایک عاجزانہ نفسیات کے ساتھ جی رہا ہے اور دوسرا متکبرانہ نفسیات کے ساتھ۔ ایک شخص اعتراف و تسلیم کو اپنا طریقہ بنائے ہوئے ہے اور دوسرا ہٹ دھرمی اور انکار کو، تو یہ ناممکن ہے کہ دونوں کی نمازیں یکساں قسم کی ہوں۔ ان میں صرف پہلا شخص ہے جس کی نماز خشوع کی نماز بنے گی۔ دوسرا شخص خواہ کتنا ہی چاہے یہ ناممکن ہے کہ وقتی طور پر ہاتھ باندھ کر اور قبلہ رو ہو کر وہ اپنی نماز کو خشوع کی نماز بنا لے۔ خشوع کی نماز دراصل خاشعانہ زندگی کا ایک وقتی مظہر ہے۔ جو شخص اپنی زندگی میں خاشع نہ بنا ہو وہ کبھی خشوع کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

مجھے ایک بار معلوم ہوا کہ ایک محلہ کے دو مسلمانوں میں جھگڑا ہے۔ جھگڑا صرف شان کا تھا نہ کہ کسی واقعی مسئلہ کا۔ میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ ان میں سے ایک شخص کے پاس گیا جو حیثیت میں زیادہ بڑے تھے۔ ہم نے ان کی بنائی ہوئی شاندار مسجد میں مغرب کی نماز ادا کی یہیں مسجد میں مذکورہ بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بہت خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئے۔ مگر جب ہم نے بتایا کہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ سے درخواست کریں کہ آپ فلاں مسلمان سے اپنا جھگڑا ختم کر دیں تو اچانک ان کا لہجہ بدل گیا۔ وہ کسی قیمت پر اپنے مسلمان بھائی کے آگے "جھکنے" پر راضی نہ ہوئے۔ ان کی گفتگو سے ان کی جس نفسیات کا اندازہ ہو رہا تھا وہ یہ تھی کہ ——— میرے پاس پیسہ ہے، میرے ساتھ اعوان و انصار ہیں۔ میں نے ایک شاندار مسجد کھڑی کر کے جنت خرید لی ہے، پھر مجھے کسی کے آگے جھکنے کی کیا ضرورت۔ مگر یہی نفسیات سب سے زیادہ خشوع کی قاتل ہے۔ جو شخص بندوں کے درمیان جھکی ہوئی زندگی گزار نہ رہا ہو وہ خدا کے سامنے بھی جھکنے والا نہیں بن سکتا۔ جو شخص اپنی صبح و شام کی زندگی میں خاشع نہ ہو وہ مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے بھی خشوع کا تجربہ نہیں کر سکتا۔

اتنی عقل جانور کو بھی ہوتی ہے

قرآن میں آدم کے دو بیٹوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے۔ ایک بھائی نے غصہ میں آکر دوسرے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ کسی انسان کے قتل کا پہلا واقعہ تھا۔ قاتل کی سمجھ میں نہ آیا کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیا کرے۔ اس وقت اللہ نے ایک کوا بھیجا۔ اس نے مرے ہوئے کوے کو اس کے سامنے "دفن" کیا۔ اس نے اپنی چونچ اور پنجے سے زمین کھودی اور مردہ کوے کو اس کے اندر رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ یہ دیکھ کر قاتل بولا: افسوس ہے مجھ پر۔ میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ اپنے بھائی کی لاش کو زمین میں چھپانے کی تدبیر کرتا (مائدہ) یہ نسل انسانی کے ابتدائی زمانہ کا واقعہ ہے۔ اس وقت سے اب تک برابر خدا یہ کر رہا ہے کہ وہ حیوانات میں سے کسی حیوان کو "بھیج کر" ہم کو ہماری زندگی کے بارہ میں سبق دیتا ہے۔ مگر انسان مشکل ہی سے ایسا کرتا ہے کہ وہ اس قسم کے واقعات سے اپنے لئے سبق لے۔ یہاں ایک پرندے کا واقعہ نقل کیا جاتا ہے جس میں ہمارے آج کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔

ابابیل نے چھت کی لکڑی میں گھونسلا بنایا۔ گھونسلا مٹی کا تھا۔ نر اور مادہ دونوں تھوڑی تھوڑی گیلی مٹی اپنی چونچ میں لاتیں اور اس سے گھونسلے کی تعمیر کرتیں۔ لگاتار محنت کے بعد چند دن میں گھونسلا تیار ہو گیا۔ اب ابابیل نے اس کے اندر انڈا دے دیا۔ ایک روز ابابیل کا جوڑا گھونسلے پر بیٹھا ہوا تھا، چار انڈے اور دو ابابیلوں کا بوجھ گھونسلے کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہوا اور وہ لکڑی سے چھوٹ کر نیچے گر پڑا۔ انڈے ٹوٹ کر برباد ہو گئے۔

اس کے بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دونوں ابابیلیں پوری چھت میں چاروں طرف اڑ رہی ہیں۔ وہ چھت کی لکڑیوں میں اپنے اگلے گھونسلے کے لئے زیادہ محفوظ جگہ تلاش کر رہی تھیں۔ بالآخر انھوں نے اپنے لئے ایک ایسی جگہ پالی جو غیر ہموار ہونے کی وجہ سے گھونسلے کو زیادہ سنبھال سکتی تھی۔

پہلی بار ابابیلوں نے خالی مٹی کا گھونسلا بنایا تھا۔ اب دوسری بار انھوں نے جو مٹی لانی شروع کی اس میں گھاس ملی ہوئی تھی۔ پہلے تجربہ کے بعد انھوں نے صاف گارے کو ناکافی پایا تو انھوں نے گھاس ملے ہوئے گارے سے گھونسلا بنانا شروع کیا۔ گویا پہلے اگر خالی مٹی تھی تو اب آہن بستہ (Reinforced) مٹی گھونسلے کے لئے منتخب کی گئی۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ دوسرا گھونسلا زیادہ مضبوط اور جما ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ پر قائم ہو گیا اور اس میں جو انڈے دئے گئے وہ محفوظ رہے یہاں تک کہ ان میں بچے نکل آئے۔ بچے اپنی ماں کے ساتھ اڑ کر فضا میں غائب ہو گئے۔ یہ واقعہ خورشید احمد بسمل صاحب (پیدائش ۱۹۴۷) کے اپنے مکان کا ہے جو تھنہ منڈی (راجوری) کے رہنے والے ہیں۔ انھوں نے ۱۹ ستمبر ۱۹۷۹ کو اپنا مذکورہ کمرہ دکھایا اور مجھ سے یہ واقعہ بیان کیا ——— جانور کی کوشش اگر پہلی بار ناکام ہو جائے تو دوسری کوشش سے پہلے وہ یہ معلوم کرتا ہے کہ اس کے عمل میں کون سی کمی تھی جس نے اس کے منصوبہ کو ناکام بنا دیا۔ اور پھر زیادہ کامل منصوبہ کے تحت دوسری تعمیر کرتا ہے۔ مگر ہمارا "آشیانہ" گرتا رہتا ہے اور کبھی ہم کو احساس نہیں ہوتا کہ اپنی کمی کو معلوم کر کے زیادہ مستحکم تعمیر کا منصوبہ بنائیں

دو قسم کی غذائیں

قرآن میں ارشاد ہوا ہے کہ اللہ کا رسول اس لئے آیا ہے کہ وہ پاک چیزوں کو جائز بتائے اور گندی چیزوں کو حرام قرار دے (ویحل لھم الطیبٰت ویحرم علیھم الخبٰئث، اعراف ۱۵۷) گویا ایمان سے آدمی کے اندر ایسی روح پیدا ہوتی ہے جو خبیث چیزوں کو قبول نہ کرے، وہ صرف طیب چیزوں کو اپنی غذا بنائے۔ اس کے برعکس غیر مومن وہ ہے جو خبیث چیزوں پر جی رہا ہو اور طیب چیزیں اس کی روح کی غذا نہ بنتی ہوں۔

جانوروں میں دو قسم کے جانور ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو مردار اور غلیظ چیزیں تلاش کرکے کھاتے ہیں دوسرے وہ جو ستھری غذاؤں سے اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو خبیث جذبات پر جیتے ہیں۔ دوسرے وہ جو طیب جذبات پر پرورش پاتے ہیں۔ ایک انسان وہ ہے جو نفرت اور عداوت میں جی رہا ہے۔ جو ذاتی نمائش اور شخصی مصالح کی ہواؤں میں سانس لیتا ہے۔ جس کی روح کو اس سے غذا ملتی ہے کہ وہ حق کا اعتراف نہ کرے۔ جس کے قلب و دماغ کو انانیت، خود پرستی، اظہار برتری سے خوراک ملتی ہے۔ وہ کسی کو تکلیف پہنچا کر خوش ہوتا ہے۔ کسی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر وار کرتا ہے اور پھر کامیابی کے قہقہے لگاتا ہے ـــــ ایسے لوگ خدا کی دنیا میں طیب خوراک کو چھوڑ کر خبیث خوراک پر جی رہے ہیں۔

دوسرا انسان وہ ہے جو قلب سلیم کے ساتھ جی رہا ہے۔ اس کی روح دوسروں کی کامیابی سے خوش ہوتی ہے۔ وہ دوسرے پر قابو یافتہ ہو کر بھی اس کو چھوڑ دینے میں راحت محسوس کرتا ہے۔ اس کا دل دوسروں کے لئے خیر خواہی اور محبت کے جذبات سے بھرا ہوتا ہے۔ اس کی ہستی کو عجز اور تواضع میں لذت ملتی ہے۔ وہ خدا اور آخرت کی فضا میں سانس لیتا ہے۔ اختلاف کے وقت اپنے کو جھکا لینے میں اس کو سکون ملتا ہے۔ جب کوئی اس پر تنقید کرتا ہے تو تنقید کو قبول کر لینے میں اس کا دل ٹھہراؤ پاتا ہے۔ کسی کا حق اس کے ذمہ ہو تو جب تک وہ اس کا حق ادا نہ کر لے اس کو راتوں کو نیند نہیں آتی ـــــ ایسے لوگ خدا کی دنیا سے اس کی طیب خوراک لے رہے ہیں اور اس کی خبیث خوراک سے اپنے کو بچائے ہوئے ہیں۔

دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ ہر شخص کی زندگی میں بار بار غیر معمولی حالات آتے ہیں، کبھی کسی سے معاملہ پڑنے کی صورت میں، کبھی کسی سے شکایت پیدا ہو جانے کی صورت میں۔ یہ غیر معمولی مواقع وہ غیر معمولی لمحات ہیں جب کہ خدا دونوں قسم کی روحوں کو چھانٹتا ہے تاکہ ایک کے لئے جنت کا اور دوسرے کے لئے جہنم کا فیصلہ کرے۔ جنت پاک روحوں کی آبادی ہے جہاں وہ لوگ بسائے جائیں گے جنھوں نے دنیا کی جانچ میں تواضع اور انصاف کا ثبوت دیا اور جہنم ناپاک روحوں کا جیل خانہ ہے، جہاں وہ لوگ داخل کئے جائیں گے جو معاملہ کے وقت بے انصاف ہو گئے اور خدا کے دئے ہوئے وسائل کو اس لئے خرچ کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنی متکبرانہ نفسیات کی تسکین حاصل کریں۔ جنتی اخلاقیات کے لوگ جنت میں ہوں گے اور جہنمی اخلاقیات کے لوگ جہنم میں۔

جب ذہن کے پردے ہٹ جائیں

ملک عبدالشکور بی اے (پیدائش ۱۹۴۶) بدھل (راجوری) کے رہنے والے ہیں۔ وہ سگرٹ کے عادی تھے اور روزانہ تین پیکٹ پی جاتے تھے۔ "سگرٹ پینا صحت کے لئے مضر ہے"۔ "سگرٹ پینا اپنے کمائے ہوئے پیسہ کو آگ لگانا ہے"۔ اس قسم کی کوئی بھی دلیل ان کو سگرٹ چھوڑنے پہ آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ حتیٰ کہ وہ اپنے دوستوں کو بھی اصرار کر کے پلاتے۔ چائے پینے کے بعد وہ سگرٹ کا کش لینے کو اتنا ضروری سمجھتے تھے کہ وہ اپنے دوستوں سے کہتے "جو آدمی چائے پی کر سگرٹ نہ پئے اس کو چائے پینے کا حق نہیں"۔

مگر ایک چھوٹے سے واقعہ نے ان کی محبوب سگرٹ ان سے چھڑا دی۔ سگرٹ کے ٹکڑے جو وہ پینے کے بعد پھینکتے ان کو ان کا تین سالہ بچہ فاروق قیصر اٹھا لیتا اور منھ میں لگا کر پیتا۔ ملک عبدالشکور صاحب اس کو منع کرتے مگر وہ نہ مانتا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ بچہ کی ماں نے سختی سے بچہ کو منع کیا تو بچہ نے کہا: "ابا بھی تو پیتے ہیں"۔ ملک عبدالشکور صاحب نے بچہ کی زبان سے یہ سنا تو ان کو سخت جھٹکا لگا۔ اگرچہ وہ دوستوں کے سامنے اپنی سگرٹ نوشی پر قصیدہ پڑھتے تھے مگر ان کا دل خوب جانتا تھا کہ سگرٹ پینا ایک بری عادت ہے جس کا انجام نہ صرف صحت اور پیسہ کی بربادی ہے بلکہ وہ اخلاق کو بھی بگاڑنے والا ہے۔ جب کوئی شخص ان سے سگرٹ چھوڑنے کو کہتا تو وہ اس کے خلاف لفظی دلائل کا انبار لگا دیتے۔ مگر ان دلائل کی حقیقت اس کے سوا اور کچھ نہ تھی کہ وہ اپنے ایک "نشہ" کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے اور اس کے لئے بھی تیار نہ تھے کہ اپنی غلطی کو مان لیں۔ اس لئے وہ لفظی تاویلات کے سہارے اپنے کو حق بجانب ثابت کرتے تھے۔ وہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھتے تھے کہ سگرٹ کے خلاف کسی دلیل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں۔

مگر جب سگرٹ کا سوال بچہ کی زندگی کا سوال بن گیا تو اچانک وہ سنجیدہ ہو گئے۔ ان کے ذہن سے وہ تمام پردے ہٹ گئے جنھوں نے ایک سادہ سی حقیقت کو سمجھنا ان کے لئے ناممکن بنا دیا تھا۔ جو شخص مضبوط دلائل کے آگے ہتھیار ڈالنے پر تیار نہ ہوتا تھا وہ ایک بچہ کے کمزور الفاظ کے آگے بالکل ڈھ گیا۔ "اگر میں خود سگرٹ پیتا رہوں تو میں اپنے بچہ کو سگرٹ پینے سے باز نہیں رکھ سکتا"۔ انھوں نے سوچا۔ بچہ کا یہ کہنا کہ "ابا بھی تو پیتے ہیں" ان کے لئے ایک ایسا ہتھوڑا بن گیا جس کی ضرب کو برداشت کرنے کی طاقت ان کے اندر نہ تھی۔ بچہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ان کو سخت جھٹکا لگا۔ انھوں نے ایک لمحہ کے اندر وہ فیصلہ کر لیا جس کے لئے ان کے دوستوں کی مہینوں اور سالوں کی کوشش بھی ناکافی ثابت ہوئی تھی۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔ انھوں نے طے کر لیا کہ وہ سگرٹ پینا بالکل چھوڑ دیں گے۔ انھوں نے نہ صرف اگلے دن سگرٹ نہیں پی بلکہ مستقل طور پر سگرٹ نوشی ترک کر دی۔

باپ کو سگرٹ سے محبت تھی۔ مگر بیٹے سے اس سے زیادہ محبت تھی۔ اس نے بیٹے کی خاطر سگرٹ کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح ہر آدمی کو اپنے مفادات اور مصالح سے محبت ہوتی ہے۔ اسلام یہ ہے کہ خدا کی محبت اتنی بڑھ جائے کہ اس کی خاطر آدمی دنیا کے مفادات اور مصالح کو قربان کر دے۔ (۲۰ ستمبر ۱۹۷۹)

یہ محکم نظام

خلا میں بے شمار ستارے ہر وقت گردش کرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اگر خلا کا ایک کرہ دوسرے کرہ سے ٹکرا جائے تو زبردست تباہی برپا ہو۔ چاند انتہائی چھوٹا ہے۔ اس کی حقیقت عظیم خلا میں ایک ذرہ کے برابر بھی نہیں۔ پھر وہ ہماری زمین سے سب سے قریب ہے۔ اس کے باوجود وہ زمین سے نہیں ٹکراتا۔ جب کہ انسانی ساخت کے مصنوعی سیارے برابر اپنی عمر ختم کرکے زمین پر گرتے رہتے ہیں۔

چاند کا وزن ۷۳ کرور کھرب ٹن ہے۔ اس کا قطر ۳۵۰۰ کیلو میٹر ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ ۳ لاکھ ۸۴ ہزار کیلو میٹر ہے۔ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور چاند زمین کے گرد۔ یہ سلسلہ اربوں سال سے جاری ہے۔ مگر ان کا نظام اتنا محکم ہے کہ وہ نہایت صحت کے ساتھ اپنے مدار پر باقی ہے۔ چاند کو زمین کی مقناطیسی قوت اپنی طرف کھینچتی ہے۔ مگر خود چاند کی حرکت کی قوت اس کو مسلسل زمین سے دور ہٹاتی ہے۔ کشش اور حرکت کی ان قوتوں کے باہمی عمل کے نتیجہ میں چاند کا راستہ ایک لمبے بیضاوی مدار کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ تمام آسمانی اجسام اسی طرح بیضاوی مدار میں گھومتے رہتے ہیں۔

اگر چاند اپنے مدار کو چھوڑ کر زمین پر گرنے لگے تو اس وقت اس کی رفتار گیارہ کیلو میٹر فی سکنڈ سے زیادہ ہوگی۔ اس تیز رفتاری سے جب وہ ہماری زمین سے ٹکرائے گا تو یہ اس سے بھی زیادہ بڑا حادثہ ہوگا جو دنیا کے تمام بموں کے یکبارگی پھٹ جانے سے ہو سکتا ہے۔

بربادی ترقی کا زینہ بن گئی

ایک انگریز عالم مسٹر آئن نیش (Ian Nish) جاپان گئے۔ انھوں نے وہاں گیارہ سال رہ کر جاپانی زبان سیکھی اور گہرائی کے ساتھ جاپانی قوم کا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے مطالعہ اور تحقیق کے نتائج ۲۴۸ صفحات کی ایک کتاب میں شائع کیا ہے جس کا نام ہے جاپان کی کہانی (The Story of Japan) مصنف لکھتے ہیں:

جاپانی قوم کی زندگی کو جس چیز نے سب سے زیادہ گہرائی کے ساتھ متاثر کیا وہ سیاست نہیں تھی بلکہ کانٹو کا عظیم زلزلہ تھا۔ یکم ستمبر ۱۹۲۳ کو زلزلہ کے زبردست جھٹکوں نے مشرقی جاپان کو تہس نہس کر دیا جو کہ جاپان کا سب سے زیادہ آباد علاقہ تھا۔ دوسرا انسانی ساخت کا زلزلہ ۱۹۴۵ میں جاپان کی شکست تھی جب کہ دو ایٹم بموں نے جاپان کے دو انتہائی بڑے شہروں کو ملبہ کا ڈھیر بنا دیا

"زلزلہ" سے اگر تعمیر نو کا ذہن پیدا ہو تو زلزلہ ایک نئی ترقی کا زینہ بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس زلزلہ اگر صرف محرومی اور جھنجھلاہٹ کا احساس پیدا کرے تو اس کے بطن سے سیاسی چیخ پکار وجود میں آتا ہے جو نتیجہ کے اعتبار سے اتنا بے معنی ہے کہ اس سے زیادہ بے معنی کوئی چیز نہیں۔ (۲۱ جولائی ۱۹۷۲)

ایمان بالغیب

درخت کیا ہے۔ قدرت کا ایک عظیم الشان کارخانہ۔ انسانی کارخانے مزدوروں کے مسائل پیدا کرتے ہیں۔ درخت میں کھرب ہا کھرب کی تعداد میں بیکٹیریا رات دن کام کرتے ہیں۔ بے شمار تعداد میں پردار کیڑے اس کی تلقیح (Pollination) کے عمل میں مشغول رہتے ہیں۔ مگر محنت کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے کارخانے شور اور دھواں اگلتے ہیں۔ پانی اور فضا کو گندہ کرتے ہیں۔ مگر درخت کا کارخانہ اس کے بالکل برعکس زمین کو خاموش حسن عطا کرتا ہے۔ وہ خراب ہوا (کاربن) کو خود لے کر عمدہ ہوا (آکسیجن) ہماری طرف لوٹا دیتا ہے۔ اس طرح حیرت انگیز اہتمام کے تحت ایک درخت بنتا ہے۔ بے شمار قسم کی ضمنی پیداوار کے علاوہ اس پر خوشنما پھول کھلایا جاتا ہے۔ پھر اس کے اندر پھل نکلتا ہے۔ ساری کائنات اس کو بڑھانے میں لگ جاتی ہے۔ اس کے اندر کمال کاریگری کے ساتھ غذا کا ذخیرہ جمع کیا جاتا ہے۔ پھر اس کو ایک قیمتی ڈھکن (چھلکے) میں پیک کیا جاتا ہے۔ اس کے اوپر رنگ چھڑکا جاتا ہے۔ خوشبو ڈالی جاتی ہے۔ مزہ پیدا کیا جاتا ہے۔ اور بالآخر نہایت اعلیٰ درجہ کی ڈبہ بند غذائی صورت میں اس کو انسان کے لئے ٹپکا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح بے شمار قسم کے پھل، ترکاریاں، غلے، گوشت، دودھ، شہد وغیرہ کائناتی اہتمام کے ساتھ رات دن انسان کے لئے تیار کئے جارہے ہیں۔ مگر حضرت مسیح کے حواریوں نے جب یہ کہا کہ ہمارے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے کھانے کا ایک خوان اتارے تو جواب ملا کہ اگر تمہارے اس قسم کے مطالبہ پر خوان اتارا گیا تو تم سخت ترین آزمائش میں پڑ جاؤ گے۔ کیوں کہ اس کے بعد اگر تم نے ناشکری کی تو تم کو اتنا سخت عذاب دیا جائے گا جو کسی کو بھی نہ دیا گیا ہو (مائدہ ۱۱۵)

کیا وجہ ہے کہ عام حالات میں ہر وقت خدا کی طرف سے بے شمار تعداد میں غذا فراہم کی جارہی ہے۔ مگر انھوں نے ایک بار آسمان سے غذا اتارنے کو کہا تو ان کو اتنا سخت انتباہ دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزانہ جو غذائیں اتر رہی ہیں وہ اسباب کے پردے میں اتر رہی ہیں۔ جب کہ حواریوں کا مطالبہ یہ تھا کہ اسباب کے پردہ کو ہٹا کر برہنہ انداز میں ان کے لئے غذا اتاری جائے۔ اس قسم کا واقعہ امتحان کی اس پوری اسکیم کو ختم کر دیتا ہے جس کے تحت انسان کو اس دنیا میں رکھا گیا ہے۔ اسی لئے حواریوں کے مطالبہ پر حضرت مسیح نے فرمایا:

اتقوا اللہ ان کنتم مومنین (مائدہ ۱۱۲) اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو

یعنی ایمان تو یہ ہے کہ بغیر دیکھے یقین کرو۔ جب تم کو دکھا دیا جائے تو اس کے بعد ایمان کی کیا قیمت ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں بندے کا سارا معاملہ غیب کا معاملہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ غیب کو نہیں کھولتا (آل عمران ۱۷۹) یہاں ہدایت کی شرط یہ ہے کہ آدمی حالت غیب میں ایمان لانے کے لئے تیار ہو (بقرہ ۳) وہ غیب میں رہتے ہوئے اللہ سے ڈرے (ق ۳۳) غیب کی جنت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو غائبانہ طور پر اس کا

یقین کریں (مریم ۶۱) اللہ کے دین کی نصرت وہی معتبر ہے جو غیب میں رہ کر کی جائے (حدید ۲۵) اس طرح غائبانہ طور پر ایمان کا ثبوت دینے والوں ہی کے لئے خدا کے یہاں بخشش ہے اور عظیم مرتبے اور انعامات ہیں (ملک ۱۲)

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا سارا امتحان اسی بات کا ہے کہ کون حالت غیب میں مومن بنتا ہے اور کون حالت شہود میں۔ جو لوگ شہود (حقائق کے کھل جانے کے بعد) مومن بنیں، ان کے ایمان کی کوئی قیمت اللہ کے نزدیک نہیں (یونس ۹۱) مومن دراصل وہی ہیں جو غیب کا پردہ پھٹنے سے پہلے غیب کی باتوں کو مان لیں ـــــ جو شخص خدا کی نعمتوں میں اپنا حصہ پانا چاہتا ہے اس کو خدا پر اس وقت یقین کرنا ہے جب کہ ابھی وہ غیب میں ہے۔ اس کو اس آخرت کے لئے جینا ہے جس کو اس نے دیکھا نہیں۔ اس کو دنیا کی ان نعمتوں کا اعتراف کرنا ہے جس میں اس کو حصہ نہیں دیا گیا۔ اس کو ان ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے جس کا فائدہ موجودہ زندگی میں نہیں ملتا۔ اس کو ان داعیان حق کا ساتھ دینا ہے جن کے داعیٔ حق ہونے کی گواہی دینے کے لئے ابھی فرشتے ظاہر نہیں ہوئے۔ اس کو ایک ایسی چیز کو اپنی منزل بنا کر سفر کرنا ہے جو موجودہ دنیا میں کبھی نہیں آتی۔

اس امتحان کا سب سے نازک پہلو اللہ کے داعی کو پہچاننا اور اس کا ساتھ دینا ہے۔ اللہ کا داعی اپنے زمانہ میں ایک "چھپی ہوئی حقیقت" ہوتا ہے۔ اللہ اپنی بے آمیز دعوت کے اعلان کے لئے جس شخص کا انتخاب کرتا ہے وہ ہمیشہ ایک ایسا شخص ہوتا ہے جس کے ساتھ دنیوی عظمتیں جمع نہ ہوئی ہوں۔ دنیوی عظمتیں جہاں ختم ہو جائیں وہاں سے حق کو پانے کا آغاز ہوتا ہے۔ اس لئے مخاطبین دعوت کو اس امتحان میں کھڑا ہونا پڑتا ہے کہ وہ ایک ایسی عظمت کو پہچان لیں جو ظاہری عظمتوں سے خالی ہو کر ان کے سامنے آئی ہے۔ وہ ایک ایسے انسان میں خدا کے ظہور کو دیکھ لیں جو چھپے ہوئے خدا کی تجلیاں لئے ہوئے ہے مگر دکھائی دینے والے انسانوں کی تجلیات سے خالی ہے۔

دنیوی عظمتیں ہمیشہ ایسے لوگوں کے حصہ میں آتی ہیں جو اپنی ساری طاقت دنیا کمانے میں لگا دیتے ہیں۔ جن کے اتفاقی حالات ان کو تاریخی گدیوں میں سے کسی گدی پر پہنچا دیتے ہیں۔ جو مروجہ آوازوں میں آواز ملا کر عوامی قیادت حاصل کر لیتے ہیں۔ جو حکومتی منصب یا سیاسی اقتدار کے مالک بن جاتے ہیں۔ مگر اس قسم کی چیزیں کسی کو بے آمیز سچائی سے محرومی کی قیمت پر ملتی ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس لطیف نفسیات سے خالی ہوتے ہیں جس کے اندر خدا کا فیضان ہدایت اترے، اس لئے ایسے لوگ کبھی وہ شخص نہیں بنتے جن کو خدا اپنی نمائندگی کے لئے چنے اور ان کے ذریعہ سے اپنے دین کا اعلان کرائے۔

تاریخ کے ہر دور میں پیغمبروں کو جھٹلایا گیا اور یہ جھٹلانے والے ہمیشہ وہ لوگ تھے جو اپنے کو دین خداوندی کا علم بردار سمجھتے تھے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ ان لوگوں نے وقت کے ان دینی پیشواؤں کا دامن پکڑ رکھا تھا جو عظمت کی گدیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ عظمتوں والے دین میں خدا کو پا کر مطمئن تھے۔ حالاں کہ خدا جہاں ان کو اپنے سایۂ رحمت میں لینے کے لئے پکار رہا تھا وہ دین وہ تھا جو ظاہری عظمتوں اور رونقوں سے خالی تھا۔ وہ اس یقین میں تھے کہ انھوں نے خدا کا مضبوط دامن پکڑ رکھا ہے۔ حالاں کہ ان کے ہاتھ میں فرضی خوش خیالیوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

اسلام کا سرچشمہ

جس طرح آگ لگنے سے تیل بھڑک اٹھتا ہے اسی طرح انسانی کارروائیوں کے پیچھے بھی کوئی "آگ" ہوتی ہے جو اس کی شخصیت کو بھڑکا دیتی ہے اور اس کے اندرون کو مختلف شکلوں میں باہر لاتی ہے۔ فرد کی دوڑ دھوپ ہو یا کسی جماعت اور تحریک کی سرگرمیاں، دونوں کسی خاص محرک کے تحت ابھرتی ہیں اور اسی محرک کے بل پر چلتی رہتی ہیں۔

عمومی مطالعہ بتاتا ہے کہ افراد کو ضروریات زندگی کے تقاضے متحرک کرتے ہیں اور جماعتوں کو سیاسی حالات کے تقاضے۔ ایک عام آدمی سب سے پہلے جس مسئلہ سے دوچار ہوتا ہے وہ معاش کا مسئلہ ہے اور معاش کا مسئلہ حل ہو جائے تو ماحول کے اندر عزت کا مقام حاصل کرنے کا مسئلہ۔ عام انسان کی دوڑ دھوپ عموماً انھیں چیزوں کے گرد گھومتی ہے۔ وہ اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنے یا سماج کے اندر اونچی حیثیت کو پانے کے لئے سرگرم رہتا ہے۔ اس کے تعلقات، اس کا لین دین، اس کی دوستی اور دشمنی سب اسی ایک چیز کے تابع ہو جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اس کی شرافت اور اخلاق بھی۔ وہ ایسے مواقع پر خوب شرافت اور اخلاق دکھاتا ہے جہاں اس کے مذکورہ ذاتی مفادات کے تقاضے پورے ہوتے ہوں اور جہاں مفاد کا کوئی پہلو نہ ہو وہاں وہ ایسا بن جاتا ہے جیسے اس کو شرافت اور اخلاق سے کوئی واسطہ نہیں، ایسے مواقع پر وہ اخلاق، انصاف، علمی دیانت داری تک کو بھول جاتا ہے۔

جماعتوں کو عام طور پر جو چیز متحرک کرتی ہے وہ ان کے گرد و پیش کے سیاسی حالات ہیں۔ ایک قوم دوسری قوم کے اوپر قابض ہو گئی۔ ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی زمین پر قبضہ کر لیا۔ ایک فرقہ اپنی بہتر پوزیشن سے فائدہ اٹھا کر دوسرے فرقہ پر ظلم کرنے لگا۔ اسی قسم کے حالات ہیں جنھوں نے ہماری تحریکوں اور جماعتوں کو جنم دیا ہے۔ وہ کسی نہ کسی سیاسی حالات کے ردعمل میں اٹھی ہیں۔ البتہ اپنے اپنے مزاج کے لحاظ سے ہر ایک الگ الگ الفاظ بول رہا ہے کوئی اپنی ردعمل کی تحریک کو سیکولر اصطلاحات میں بیان کر رہا ہے۔ کوئی اخلاق اور انسانیت کے نام پر اپنی اہمیت ثابت کر رہا ہے۔ کوئی دین اور مذہب کے الفاظ میں اپنے پروگرام کی تشریح کر رہا ہے۔ اگرچہ ظاہری طور پر ان میں بہت سے فرق بھی ہیں۔ مگر ابتدائی محرک کے اعتبار سے ان میں کوئی فرق نہیں۔

حقیقی اسلامی شخصیت یا حقیقی اسلامی تحریک ان سب سے بالکل مختلف چیز ہے۔ وہ کسی سیاسی یا غیر سیاسی ردعمل کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوتی۔ وہ خدا کی لامحدود تجلیات سے ربط کی پیداوار ہوتی ہے۔ وہ فطرت کے مثبت سرچشمہ سے ابلتی ہے۔ وہ آخرت کی ابدی دنیا کی تعمیر کے لئے حرکت میں آتی ہے۔ وہ ابدیت سے اتصال کا ظہور ہوتی ہے نہ کہ وقتی سیاست کا ردعمل۔ عام تحریکوں کی غذا سیاسی حالات میں ہوتی ہے اور حقیقی اسلامی تحریک کی غذا خدا اور فرشتوں کی سرگرمیوں میں۔ عام تحریکیں سیاسی ہنگاموں پر زندہ رہتی ہیں اور حقیقی اسلامی تحریک خدا کی خاموش کائنات کے اوپر۔ عام تحریکیں سیاسی اکھیڑ پچھاڑ کو جدوجہد سمجھتی ہیں اور حقیقی اسلامی تحریک کی جدوجہد یہ ہے کہ وہ خدائی دنیا کے لازوال قافلہ کی ہم سفر بن جائے۔

جب تمام کھمبے گر جائیں گے

۱۷ر مارچ ۱۹۷۸ کو دہلی میں ایک شدید طوفان آیا جس نے صرف تین منٹ کے اندر اتری دلی کے علاقہ کو تہس نہس کر دیا۔ مسٹر تعریف سنگھ (سول ڈیفنس انسٹرکٹر) نے بتایا کہ سورج ڈوبنے سے آدھ گھنٹہ پہلے کالے بادل آئے اور بارش ہونے لگی۔ اچانک ایک سفید رنگ کا غبار تیزی سے ظاہر ہوا جس نے آناً فاناً ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ "ایسا لگتا تھا جیسے نرک زمین پر اتر آیا ہو"۔ اس طوفان کا زور چھ کیلومیٹر کے رقبہ میں تھا۔ اندازہ ہے کہ اس تین منٹ کے طوفان میں، جانی نقصان کے علاوہ ایک کروڑ روپے کی جائداد کا نقصان ہوا۔ طوفان اتنا تیز تھا کہ اسکوٹر اور آدمی تنکے کی طرح ہوا میں تیرنے لگے۔ بسیں اڑ کر کہیں سے کہیں جا ٹکرائیں۔

۲۱ر جون ۱۹۷۹ کو اسی قسم کا مگر اس سے ہلکا طوفان آیا۔ اس طوفان کا زیادہ زور نئی دہلی کے علاقہ میں تھا۔ جہاں سنٹرل سکریٹریٹ کے پاس پتھر کے بھاری ستون ٹوٹ کر گر گئے۔ صفدر جنگ ہوائی اڈہ پر کھڑا ہوا ہیلی کاپٹر الٹ گیا۔ درخت اکھڑ گئے۔ ۱۲۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والی آندھی کی زد میں آکر کئی آدمی زخمی ہوئے اور دو آدمی مر گئے۔

ایسے واقعات بار بار مختلف مقامات پر ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح کائنات کا مالک اپنے بندوں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ اس دنیا کے مالک نہیں ہیں۔ اس کا مالک وہ خدا ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ انسانوں کے "کھمبے" صرف اس وقت تک کھڑے ہیں جب تک خدا انھیں مہلت دئے ہوئے ہے۔ جب وہ انھیں پکڑے گا تو اچانک تمام کھمبے گرے ہوئے نظر آئیں گے۔ جو ہوا آج خدا کے حکم سے ۱۲۰ کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے چلی وہ اس کے حکم سے دس گنا اور بیس گنا زیادہ رفتار سے بھی چل سکتی ہے۔ جب خدا اس دنیا کو ختم کرنا چاہے گا تو اسی طرح وہ قیامت کا طوفان لائے گا۔ اس کے بعد یہ دنیا اپنی تمام تعمیرات کے ساتھ ڈھ پڑے گی۔ اس کے بعد دوسری زیادہ بہتر دنیا بنائی جائے گی۔ آج شریر انسان اور اچھے انسان ملے جلے ہیں۔ اس وقت دونوں ایک دوسرے سے الگ کر دئے جائیں گے۔ اپنے اچھے بندوں کو خدا ابدی مسرت کے باغوں میں جگہ دے گا اور شریر لوگوں کو اکھٹا کر کے جہنم کی آگ میں پھینک دے گا۔ پہلے لوگ ہر قسم کی تکلیف اور اندیشوں سے خالی ہو کر ہمیشہ کے لئے خوشیوں کی زندگی گزاریں گے اور دوسرے لوگ ہر قسم کے عذاب میں مبتلا ہو کر ہمیشہ کے لئے چیختے چلاتے رہیں گے۔

زندگی کا سفر ——— ہمیشہ ہموار نہیں ہوتا

اولیور وینڈل ہومز نے کہا ہے:

THE YOUNG MAN KNOWS THE RULES, BUT THE OLD MAN KNOWS THE EXCEPTIONS.
Oliver Wendell Holmes

نوجوان شخص عموم کو دیکھتا ہے اور عمر رسیدہ آدمی استثنار کو۔ زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اتفاقی رکاوٹ سامنے آکر ہمارے سوچے ہوئے نقشہ کو بگاڑ دیتی ہے۔ اس لئے عقل مند وہ ہے جو صرف عام حالات پر بھروسہ نہ کرے بلکہ غیر متوقع امکانات کو ذہن میں رکھ کر اپنا منصوبہ بنائے۔

کائنات کی نشانیاں

"پتھر اور لکڑی کو کوٹ پیس کر ملا دو تو وہ پٹرول بن جائے گا"۔ اس قسم کی بات بظاہر بالکل مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے۔ یقیناً انسان اس طرح کا کوئی واقعہ ظہور میں لانے پر قادر نہیں۔ مگر اسی قسم کے اس سے زیادہ عجیب واقعات اس دنیا میں ہر دن ظہور میں آرہے ہیں۔ قدرت کی کیمسٹری ہر دن ایسے بے شمار واقعات ظہور میں لاتی ہے جو انسان کے لئے صرف ایک ناقابل فہم عجوبہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آکسیجن اور ہائڈروجن دو گیسیں ہیں۔ قدرت ان کو ایک خاص تناسب سے ملاتی ہے تو ان کا مجموعہ پانی جیسے سفید سیال کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کاربن کے ساتھ کچھ نمکیات اور معدنیات جمع ہوتی ہیں تو زندگی وجود میں آجاتی ہے۔ مقناطیسی فیلڈ اور حرکت کو یکجا کیا جاتا ہے تو بجلی جیسی حیرت ناک طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح مقناطیسی فیلڈ اور بجلی کو اکٹھا کیا جاتا ہے تو انتہائی تیز حرکت وجود میں آجاتی ہے۔ ایک بیج کو مٹی میں ملا دیا جاتا ہے تو اس سے لکڑی اور پتی اور پھول اور پھل کا ایک مجموعہ نکل کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ وغیرہ، وغیرہ

اس قسم کے بے شمار کرشمے کائنات میں ہر لمحہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ انسان ان کو دیکھ کر حیران رہ جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ نہ خود ان چیزوں میں اپنے آپ کو ظہور میں لانے کی طاقت ہے اور نہ انسان اس پر قادر ہے کہ وہ بطور خود کسی واقعہ کو پیدا کر سکے۔ "پھر یہ سب کیسے ہو رہا ہے"۔ اس سوال کے جواب میں وہ کہہ دیتا ہے کہ یہ سب خدا کا انش ہے۔ یہ خود خدا ہے جو ان گنت صورتوں میں اپنے آپ کو ظاہر کر رہا ہے۔

قرآن اس قسم کے جواب کو گمراہی قرار دیتا ہے۔ قرآن کے نزدیک یہ چیزیں خدا کا انش نہیں بلکہ خدا کا حکم ہیں۔ خدا نے اپنی قدرت سے ان کو پیدا کیا ہے۔ نہ کہ خود خدا ان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

"ستارے" قدیم زمانہ سے شعراء کے حسین تخیلات کا مرکز رہے ہیں۔ "چاند" کو انسان دیوتا کے روپ میں دیکھتا رہا ہے۔ مگر حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ستارے ہیبت ناک آگ کے شعلے ہیں اور چاند اور دوسرے سیارے محض خشک چٹانیں جن پر پانی کا ایک قطرہ یا درخت کا ایک پتہ بھی نہیں۔ کائنات انتہائی وسیع ہونے کے باوجود انسان جیسی مخلوق کے لئے انتہائی طور پر غیر موافق ہے۔ ساری معلوم کائنات میں صرف زمین ہی ایک ایسا کرہ ہے جہاں انسان زندہ رہتا ہے اور تمدن کی تعمیر کرتا ہے۔ بے حد وسیع کائنات میں زمین کا استثناء واضح طور پر ایک ذی شعور ہستی کے وجود کا ثبوت ہے جس نے بالارادہ زمین پر استثنائی حالات پیدا کئے۔ سائنس داں تقریباً نصف صدی سے اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ خلا میں زمین سے ملتے جلتے دوسرے کرے دریافت کریں تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ ہماری زمین کائناتی استثناء نہیں ہے بلکہ اس طرح کے حالات کم یا زیادہ دوسرے کروں پر بھی پائے جاتے ہیں۔ بالفاظ دیگر، زمین کا خالق قانون ارتقا ہے نہ کہ کوئی خدا۔ مگر یہ تلاش کھرب ہا کھرب ڈالر خرچ کرنے کے باوجود ابھی تک ناکامی کے سوا کسی اور مقام تک نہ پہنچ سکی۔

سنانے والے بہت، سننے والا کوئی نہیں

آدمی اپنے کو نمایاں کرنا چاہتا ہے۔ یہی ہر دور میں آدمی کی سب سے بڑی خواہش رہی ہے۔ قدیم زمانہ میں اپنے کو نمایاں کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ "تلوار" تھا۔ اس لئے آدمی تلوار کے کارنامے دکھا کر اپنی جاہ پسندی کے جذبہ کی تسکین حاصل کرتا تھا۔ موجودہ زمانہ میں پریس اور پلیٹ فارم اس کے ذریعے بن گئے ہیں، اس لئے آج لوگ لکھنے اور بولنے کے کمالات دکھا رہے ہیں۔ جس کو بھی کچھ موقع مل گیا ہے وہ چاہتا ہے کہ تحریر و تقریر کے میدان میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو نمایاں کرے۔ مزید یہ کہ تلوار کا کھیل بڑا جان جوکھم کا کھیل تھا۔ اس لئے نسبتاً کم لوگ اس میدان میں اترنے کا حوصلہ کرتے تھے۔ اس کے برعکس قلم کو حرکت میں لانا یا لاؤڈ اسپیکر پر الفاظ کے دریا بہانا بہت آسان کام ہے۔ اس لئے آج ہر آدمی جاہ اور شہرت کے میدان میں دوڑ لگانے کے لئے بے قرار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ساری انسانی آبادی "سنانے والوں" میں تبدیل ہو گئی ہے۔ زمین کی پشت پر "سننے والا" کوئی نہیں۔

جہاں بھی دیکھئے، ہر آدمی دوسرے کو درس دیتا ہوا نظر آئے گا۔ کوئی اپنے بھائیوں کے درمیان خطابت کے جوہر دکھا رہا ہے اور کوئی برادران وطن کے نام انسانیت کا پیغام نشر کر رہا ہے، کوئی عربوں کو نصیحت کر رہا ہے اور کوئی اہل مغرب کو کھری کھری باتیں سنا رہا ہے۔ کوئی اہلِ بدعت کے خلاف قلمی جہاد کا کارنامہ انجام دے رہا ہے اور کوئی فرق ضالہ کی حقیقت کھولنے میں مصروف ہے۔ خود اپنی کوتاہیوں اور لغزشوں کا محاسبہ کرنے کی فرصت کسی کو نہیں۔

ان لفظی سورماؤں کی حقیقی زندگیوں کو دیکھئے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ذاتی نمائش کا کاروبار ہے نہ کہ دین و ملت کی خدمت کا، ہر ایک زبان سے حق و انصاف کا پیغام دے رہا ہے اور عمل سے حق و انصاف کو پامال کر رہا ہے۔ ایک شخص قوم کی تعمیر کا نعرہ لگا رہا ہوگا۔ مگر خود اپنے زیر معاملہ فرد قوم کو برباد کر رہا ہوگا۔ ایک شخص دوسروں کو انسانیت کا پیغام سنا رہا ہوگا اور خود اس سے جس انسان کا معاملہ پڑے اس سے حیوانی سلوک کر رہا ہوگا۔ ایک شخص دوسروں سے انصاف قائم کرنے کا مطالبہ کر رہا ہوگا اور خود جب ایک شخص سے انصاف کرنے کا وقت آئے گا تو وہاں وہ بے انصافی کرنے لگے گا۔

قرآن میں شاعر اور نبی کا یہ فرق بتایا گیا ہے کہ شاعر ایسی بات کہتا ہے جس پر وہ خود عامل نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس نبی جو کچھ کہتا ہے وہی کرتا بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے قائدین شاعروں کے اسوہ پر چل رہے ہیں نہ کہ پیغمبروں کے اسوہ پر۔ مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں جس چیز کی قیمت ہے وہ صرف عمل ہے۔ اگر آدمی زبان سے فساد اور نا انصافی کے خلاف آواز لگا رہا ہو مگر خود عملی اعتبار سے فساد اور نا انصافی کے مقام پر ہو تو آخرت میں اس کے ساتھ معاملہ اس کے عمل کے اعتبار سے کیا جائے گا نہ کہ اس کے قول کے اعتبار سے۔

ان کا مکمل انقلاب جزئی انقلاب بھی نہ بن سکا

جے پرکاش نارائن (۱۹۰۲–۱۹۷۹) اپنے علم اور صلاحیت کے اعتبار سے ہندستان کے چوٹی کے لیڈروں میں سے تھے۔ ان کو عام طور پر مخلص اور سنجیدہ انسان سمجھا جاتا تھا اور ہر طبقہ کے لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ پٹنہ میں ان کے مکان کے سونے کے کمرہ میں دیوار پر یہ شعر لگا ہوا تھا:

مالک تری رضا رہے اور تو ہی تو رہے　　　باقی نہ میں رہوں نہ مری آرزو رہے

وہ اپنے دل میں سماجی اصلاح کا بے پناہ جذبہ رکھتے تھے اور اپنے الفاظ میں سمپورن کرانتی Total Revolution کے علم بردار تھے۔ انھوں نے سمجھا کہ ہندوستان کے لوگ ان کا مطلوبہ مکمل انقلاب لانے کے لئے بے قرار ہیں۔ صرف اندرا حکومت راستہ کی رکاوٹ ہے۔ اندرا حکومت ختم ہو جائے تو اس کے بعد مطلوبہ سماجی نظام نہایت آسانی سے قائم ہو جائے گا۔ ان کو اپنے اس اندازہ پر اتنا یقین تھا کہ وہ اس اعلیٰ مقصد کے حصول کی خاطر فوج اور پولس کو بغاوت پر ابھارنے کو بھی جائز سمجھنے لگے۔ اندرا گاندھی کی بعض غلطیوں نے ان کو موقع دیا اور وہ ۱۹۷۷ میں اس حکومت کو ختم کرنے میں شاندار طور پر کامیاب ہو گئے۔ تاہم اس "کامیابی" کے معنی صرف یہ تھے کہ اقتدار اندرا اور سنجے کے ہاتھ سے نکل کر مرار جی ڈیسائی اور کانتی ڈیسائی کے ہاتھ میں چلا گیا۔ مطلوبہ سماجی نظام کا قیام پھر بھی خیالی امید ہی بنا رہا۔ اقتدار کی تبدیلی کے بعد اگرچہ ذاتی طور پر جے پرکاش کا مقام اتنا بلند ہوا کہ ان کو "لوک نائک" کا پُرفخر خطاب دیا گیا۔ تاہم اپنی تمام ظاہری کامیابیوں کے باوجود ۸ اکتوبر ۱۹۷۹ کو وہ دنیا سے اس احساس کے ساتھ چلے گئے کہ ان کا مکمل انقلاب اپنی تمام تر دھوم کے باوجود، جزئی انقلاب بھی نہ بن سکا۔ مزید یہ کہ جنتا پارٹی میں بہت جلد پھوٹ پڑ گئی اور صرف ۲۸ ماہ بعد جنتا حکومت ٹوٹ گئی۔ اپنی محبوب جنتا پارٹی کا یہ انجام جب ان کے علم میں آیا تو ان کی زبان سے نکلا: "باغ اجڑ گیا" (ہندستان ٹائمس، ۲۰ جولائی ۱۹۷۹) آخر میں وہ اتنے دل شکستہ ہو گئے تھے کہ موت سے ایک دن پہلے اچیوت پٹوردھن ان سے پٹنہ میں ملے اور ان کی خیریت پوچھی تو انھوں نے کہا: "میں کس طرح جی رہا ہوں، بس موت کا انتظار کر رہا ہوں" (ٹائمس آف انڈیا ۹ اکتوبر ۱۹۷۹)

جے پرکاش نارائن کا یہ واقعہ محض ایک واقعہ نہیں بلکہ وہ ایک عبرت کا آئینہ ہے جس میں آپ اسی قسم کی بہت سی دوسری تصویریں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ایک مصلح جب "ظالم حکومت" کو ہٹانے کا نعرہ لگاتا ہے تو مشترک دشمنی کا جذبہ بہت سے مختلف الخیال عناصر کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ اس طرح مصلح کی جماعت اقلیت میں ہونے کے باوجود متحدہ محاذ میں شامل ہو کر اکثریت حاصل کر لیتی ہے۔ مگر جب ظالم حکومت ہٹ جاتی ہے تو سب کا مفاد الگ الگ ہو جاتا ہے۔ لوگ ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑنے لگتے ہیں۔ اب مصلح کی جماعت اکیلی ہو کر دوبارہ اسی اقلیت کے مقام پر چلی جاتی ہے جہاں وہ متحدہ محاذ بننے سے پہلے تھی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ "ظالم" کو ہٹا کر بھی عادل کو اقتدار کی گدی پر بیٹھا نہیں پاتی۔ جے پرکاش نارائن اور ان کی قسم کے دوسرے مصلحین کی شاندار کامیابی کے معاً بعد عبرتناک ناکامی کا سبب یہی ہے۔

سوئی کے کارخانہ میں لوہے کے ایک ٹکڑے کو تقریباً ۲۰ مرحلوں سے گزرنا ہوتا ہے تب وہ سوئی بن کر تیار ہوتی ہے جس کو ایک آدمی سلائی کے کام میں استعمال کر سکے۔ اب اگر ایک جلد باز آدمی ہتھوڑے کی پہلی ہی ضرب سے سوئی بنانا چاہے تو مطلوبہ سوئی تو نہ بنے گی البتہ لوہے کا ٹکڑا ٹوٹ پھوٹ کر بے کار ہو جائے گا۔ ایسا ہی کچھ معاملہ موجودہ زمانہ میں تعمیر ملت اور احیاء اسلام کی کوششوں کا ہوا ہے۔ ایک سو سال سے بھی زیادہ مدت کے پرشور ہنگاموں کے باوجود آج بھی ہمارا قافلہ اسی مقام پر ہے جہاں وہ ایک سو سال پہلے تھا۔ بلکہ شاید کچھ اور پیچھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے لیڈر پہلی ہی ضرب میں ایک عمدہ چمک دار "سوئی" تیار کر لینا چاہتے ہیں۔ وہ "۲۰ مرحلوں" کے صبر آزما دور سے گزرنا نہیں چاہتے۔

انیسویں صدی میں کچھ لوگوں نے دیکھا کہ مغربی قومیں مسلم ملکوں کے اوپر قابض ہو گئی ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ بس لڑ بھڑ کر کسی طرح ان اجنبی قوموں کو نکال دو اور اس کے بعد اسلام کی عظمت کا دور دوبارہ واپس آجائے گا۔ بے شمار جانی و مالی نقصان کے بعد یہ مہم کامیاب ہو گئی، مگر اسلام اور مسلمان جس مغلوبیت کی حالت میں پہلے تھے وہیں اب بھی باقی رہے۔ کیوں کہ جدید دنیا میں بالادستی کا مقام حاصل کرنے کے لئے بہت سی علمی و عملی تیاریوں کی ضرورت تھی اور اس کے لئے ہمارے پرجوش لیڈروں نے کچھ نہیں کیا تھا۔

غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں لوگوں نے دیکھا کہ برسر اقتدار پارٹی کے زیر انتظام مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ انھوں نے سمجھا کہ ہماری تمام مصیبتوں کی جڑ بس یہ پارٹی ہے جس کے ہاتھ میں بر وقت ملک کا اقتدار ہے۔ اگر اس پارٹی کو اقتدار سے ہٹا دیا جائے تو ہماری تمام مصیبتیں ختم ہو جائیں گی۔ الیکشن کے موقع پر دوسری پارٹیوں کے ساتھ مل کر انھوں نے سیاسی طوفان مچایا اور بالآخر برسر اقتدار پارٹی کو اقتدار سے ہٹا دیا۔ مگر اس کے بعد جو دوسری پارٹی منتخب ہو کر اقتدار کے منصب پر بیٹھی اس کے تحت بدستور اسلام اور مسلمان ظلم کا شکار ہوتے رہے۔ کیوں کہ نئی منتخب پارٹی بھی اسی غیر مسلم اکثریت کے افراد سے بنی تھی جس سے پہلی پارٹی بنی تھی۔ پھر وہ پہلی پارٹی سے مختلف کیوں ہوتی۔

یہی سیاسی ڈراما مسلم اکثریت کے ملکوں میں ایک اور شکل میں دہرایا گیا ہے۔ یہاں اسلامی مفکرین اور ملی قائدین نے دیکھا کہ جو مسلم شخصیت یا مسلم جماعت ان کے ملک میں حکومت کر رہی ہے اس کے زیر حکومت بہت سی غیر اسلامی چیزیں رائج ہو رہی ہیں۔ انھوں نے سمجھا کہ بس اس شخص کو کسی طرح مار ڈالو یا اس جماعت کو اقتدار سے ہٹا دو تو اس کے بعد ہر طرف نظام اسلام اور نظام مصطفیٰ کی ہوائیں چلنے لگیں گی۔ مختلف اندرونی و بیرونی عناصر کے اشتراک سے یہ مہم کامیاب ہو گئی۔ سب سے بڑے "مخالف اسلام" کو ختم کر دیا گیا۔ مگر اس کے بعد جو دوسرا نظام آیا وہ بھی پہلے ہی کی طرح غیر اسلامی نظام تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حکومت کو چلانے والے افراد ہمیشہ اپنے سماج سے نکل کر آتے ہیں نہ کہ آسمان سے۔ اور جب سماج بگڑا ہوا ہو تو محض کسی فرد یا کسی سیاسی پارٹی کے بدلنے سے نظام نہیں بدل سکتا۔

اس کے نتیجہ میں قوم کے اندر حقیقت پسندی کے بجائے جذباتیت پیدا ہوتی ہے۔ تعمیری مزاج کے بجائے سیاسی مزاج بنتا ہے۔ پُرامن طریقوں کے بجائے تخریبی طریقے پرورش پاتے ہیں، اور جو مقصد ہے وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

تذکیر القرآن

البقرہ

اے ایمان والو تم پر مقتولوں کا قصاص لینا فرض کیا جاتا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام، عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ معروف کی پیروی کرے اور خوبی کے ساتھ اس کو ادا کرے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے ایک آسانی اور مہربانی ہے۔ اب اس کے بعد بھی جو شخص زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اے عقل والو، قصاص میں تمھارے لئے زندگی ہے تاکہ تم بچو۔ تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے اور وہ اپنے پیچھے، مال چھوڑ رہا ہو تو وہ معروف کے مطابق وصیت کردے اپنے ماں باپ کے لئے اور اپنے قرابت داروں کے لئے۔ یہ ضروری ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے۔ پھر جو کوئی وصیت کو سننے کے بعد اس کو بدل ڈالے تو اس کا گناہ اسی پر ہوگا جس نے اس کو بدلا، یقیناً اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔ البتہ جس کو وصیت کرنے والے کی بابت یہ اندیشہ ہو کہ اس نے جانب داری یا حق تلفی کی ہے اور وہ آپس میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ اللہ معاف کرنے والا، رحم کرنے والا ہے ۱۷۸ — ۸۲

قتل کے معاملہ میں اسلام میں قصاص کا اصول مقرر کیا گیا ہے۔ یعنی قاتل کے ساتھ وہی کیا جائے جو اس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے۔ اس طرح ایک طرف آئندہ کے لئے قتل کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ کیوں کہ اپنی جان کا خوف آدمی کو دوسرے کی جان لینے سے روکتا ہے اور نتیجۃً سب کی جانیں محفوظ ہو جاتی ہیں۔ قاتل کے قتل سے پورے معاشرہ کے لئے زندگی کی ضمانت پیدا ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف مقتول کے ورثار کا انتقامی جذبہ ٹھنڈا ہو کر سماج میں کسی نئی تخریبی کارروائی کے امکان کو ختم کر دیتا ہے۔ تاہم قصاص کا معاملہ اسلام میں قابل راضی نامہ ہے۔ مقتول کے ورثار چاہیں تو قاتل کو قتل کر سکتے ہیں، چاہیں تو دیت (مالی معاوضہ) لے سکتے ہیں اور چاہیں تو معاف کر سکتے ہیں۔ اس گنجائش کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلامی معاشرہ میں ایک دوسرے کو بھائی سمجھنے کی فضا باقی رہے، ایک دوسرے کو حریف سمجھنے کی فضا کسی حال میں پیدا نہ ہو۔ نیز خون بہا کے اصول کا ایک خاص فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ سے مقتول کے وارثوں کو اپنے چلے جانے والے فرد خاندان کا ایک مالی بدل مل جاتا ہے

جب کوئی مر جاتا ہے تو یہ مسئلہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس کی وراثت کا کیا جائے۔ اس سلسلے میں اسلام کا اصول یہ ہے کہ اس کی وراثت کو اس کے رشتہ داروں میں معروف طریقہ سے تقسیم کر دیا جائے۔ یہ گویا مال کا تقویٰ ہے۔ جب مرنے والوں کے رشتہ داروں تک حصہ بحصہ اس کا چھوڑا ہوا مال پہنچ جائے تو اس سے معاشرہ میں یہ فضا بنتی ہے کہ از روئے حق جس کو جو دیا جانا چاہئے وہ دیا جا چکا ہے۔ اس طرح خاندان کے اندر متروکہ مال یا جائداد کے حصول کے لئے باہمی نزاع پیدا نہیں ہوتی، خاندان کا جو شخص قانونی اعتبار سے وارث نہ قرار پاتا ہو، مگر اخلاقی اعتبار سے وہ مستحق ہو تو مرنے والے کو چاہئے کہ وصیت کے ذریعہ اس خلا کو پُر کر دے۔ (یہاں وراثت کے بارے میں معروف کے مطابق وصیت کرنے کا حکم ہے۔ آگے سورہ نسار میں ہر ایک کے حصہ کو قانونی طور پر متعین کر دیا گیا ہے)

اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے اگلوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم پرہیزگار بنو گنتی کے چند دن۔ پھر جو کوئی تم میں بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرلے۔ اور جن کو طاقت ہے تو ایک روزہ کا بدلہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ جو کوئی مزید نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور تم روزہ رکھو تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے، اگر تم جانو۔ رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا، ہدایت ہے لوگوں کے لئے اور کھلی نشانیاں راستہ کی اور حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والا۔ پس تم میں سے جو کوئی اس مہینہ کو پائے وہ اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرلے۔ اللہ تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے، وہ تمھارے ساتھ سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرلو اور اللہ کی بڑائی کرو اس پر کہ اس نے تم کو راہ بتائی اور تاکہ تم اس کے شکرگزار رہو ۱۸۳—۸۵

روزہ بیک وقت دو چیزوں کی تربیت ہے۔ ایک شکر، دوسرے تقویٰ۔ کھانا اور پانی اللہ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ مگر عام حالات میں آدمی کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ روزہ میں جب وہ دن بھران چیزوں سے رکا رہتا ہے اور سورج ڈوبنے کے بعد شدید بھوک پیاس کی حالت میں کھانا کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے تو اس وقت اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ کھانا اور پانی اللہ کی کتنی بڑی نعمتیں ہیں۔ اس تجربہ سے اس کے اندر اپنے رب کے شکر کا بے پناہ جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہی روزہ آدمی کے لئے تقویٰ کی تربیت بھی ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ آدمی دنیا کی زندگی میں خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے۔ وہ ان چیزوں سے رکا رہے جن سے خدا نے روکا ہے اور وہی کرے جس کے کرنے کی خدا نے اجازت دی ہے۔ روزہ میں صرف رات کو کھانا اور دن کو کھانا پینا چھوڑ دینا گویا خدا کو اپنے اوپر نگراں بنانے کی مشق ہے۔ مومن کی پوری زندگی ایک قسم کی روزہ دار زندگی ہے۔ رمضان کے مہینے میں وقتی طور پر چند چیزوں کو چھڑا کر آدمی کو تربیت دی جاتی ہے کہ وہ ساری عمر ان چیزوں کو چھوڑ دے جو اس کے رب کو ناپسند ہیں —— قرآن بندے کے اوپر اللہ کا انعام ہے اور روزہ بندے کی طرف سے اس انعام کا عملی اعتراف۔ روزہ کے ذریعہ بندہ اپنے آپ کو اللہ کی شکرگزاری کے قابل بناتا ہے اور یہ صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ قرآن کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دنیا میں متقیانہ زندگی گزار سکے۔

روزہ سے دلوں کے اندر نرمی اور شکستگی آتی ہے۔ اس طرح روزہ آدمی کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ وہ ان کیفیتوں کو محسوس کرسکے جو اللہ کو اپنے بندوں سے مطلوب ہیں۔ روزہ کی پُرمشقت تربیت آدمی کو اس قابل بناتی ہے کہ اللہ کی شکرگزاری میں اس کا سینہ تڑپے اور اللہ کے خوف سے اس کے اندر کپکپی پیدا ہو۔ جب آدمی اس نفسیاتی حالت کو پہنچتا ہے، اسی وقت وہ اس قابل بنتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں پر ایسا شکر ادا کرے جس میں اس کے دل کی دھڑکنیں شامل ہوں۔ وہ ایسے تقویٰ کا تجربہ کرے جو اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے کردے۔ وہ اللہ کو ایسے بڑے کی حیثیت سے پائے جس میں اس کا اپنا وجود بالکل چھوٹا ہوگیا ہو۔

اور جب میرے بندے تم سے میری بابت پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔ تو چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ تمھارے لئے روزہ کی رات میں اپنی بیویوں کے پاس جانا جائز کیا گیا۔ وہ تمھارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اللہ نے جانا کہ تم اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے تو اس نے تم پر عنایت کی اور تم کو معاف کر دیا۔ تو اب تم ان سے ملو اور چاہو جو اللہ نے تمھارے لئے لکھ دیا ہے۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے الگ ظاہر ہو جائے۔ پھر پورا کرو روزہ رات تک۔ اور جب تم مسجد میں اعتکاف میں ہو تو بیویوں سے خلوت نہ کرو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں تو ان کے نزدیک نہ جاؤ۔ اس طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ وہ بچیں۔ اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناحق طور پر نہ کھاؤ اور ان کو حاکموں تک نہ پہنچاؤ تاکہ دوسروں کے مال کا کوئی حصہ تم کو مل جائے۔ حالاں کہ تم اس کو جانتے ہو ۱۸۶ — ۸۸

روزہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے صبر کا عمل ہے اور صبر، یعنی حکم الٰہی کی تعمیل میں مشکلات کو برداشت کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے آدمی اس قلبی حالت کو پہنچتا ہے جو اس کو خدا سے قریب کرے اور اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلوائے جو قبولیت کو پہنچنے والے ہوں۔ اللہ کو وہی پاتا ہے جو اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرے، اللہ تک اسی شخص کے الفاظ پہنچتے ہیں جس نے اپنی روح کے تاروں کو اللہ سے ملا رکھا ہو۔

شریعت آدمی کے اوپر کوئی غیر فطری پابندی عائد نہیں کرتی۔ روزہ میں دن کے اوقات میں ازدواجی تعلق ممنوع ہونے کے باوجود رات کے اوقات میں اس کی اجازت، افطار وسحر کے اوقات جاننے کے لئے جنتری کا پابند کرنے کے بجائے عام مشاہدہ کو بنیاد قرار دینا اسی قسم کی چیزیں ہیں۔ جزئی تفصیلات میں بندوں کو گنجائش دیتے ہوئے اللہ نے عمومی حدیں واضح فرما دی ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ مقرر حدوں کا پوری طرح پابند رہے اور تفصیل جزئیات میں اس روش کو اختیار کرے جو تقویٰ کی روح کے مطابق ہے۔

روزہ کے حکم کے فوراً بعد یہ حکم کہ "ناجائز مال نہ کھاؤ" بتاتا ہے کہ روزہ کی حقیقت کیا ہے۔ روزہ کا اصل مقصد آدمی کے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنا ہے کہ جہاں خدا کی طرف سے رکنے کا حکم ہو وہاں آدمی رک جائے، حتیٰ کہ اگر حکم ہو تو جائز چیز سے بھی، جیسا کہ روزہ میں ہوتا ہے۔ اب جو شخص خدا کے حکم کی بنا پر حلال کمائی تک سے رک جائے وہ اسی خدا کے حکم کی بنا پر حرام کمائی سے کیوں نہ اپنے آپ کو روکے رکھے گا۔

مومن کی زندگی ایک قسم کی روزہ دار زندگی ہے۔ اس کو ساری عمر کچھ چیزوں سے "افطار" کرنا ہے اور کچھ چیزوں سے مستقل طور پر "روزہ" رکھ لینا ہے۔ رمضان کا مہینہ اسی کی تربیت ہے۔ پھر روزہ کی محتاط زندگی اور اس کا پُر مشقت عمل یہ سبق دیتا ہے کہ اللہ کا عبادت گزار بندہ وہ ہے جو تقویٰ کی سطح پر اللہ کی عبادت کر رہا ہو۔ اللہ کو پکارنے والا صرف وہ ہے جو قربانیوں کی سطح پر اللہ کی نزدیکی حاصل کرے۔

وہ تم سے چاندوں کی بابت پوچھتے ہیں۔ کہدو کہ وہ اوقات ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے۔ اور نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں آؤ چھت پر سے۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی پرہیزگاری کرے۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو لڑتے ہیں تم سے۔ اور زیادتی نہ کرو۔ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور قتل کرو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انھوں نے تم کو نکالا ہے۔ اور فتنہ سخت تر ہے قتل سے۔ اور ان سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے اس میں جنگ نہ چھیڑیں۔ پس اگر وہ تم سے جنگ چھیڑیں تو ان کو قتل کرو۔ یہی سزا ہے منکروں کی۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا، مہربان ہے۔ اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہوجائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو اس کے بعد سختی نہیں ہے مگر ظالموں پر ۱۸۹-۹۳

چاند کا گھٹنا بڑھنا تاریخ جاننے کے لئے ہے نہ کہ توہم پرستوں کے خیال کے مطابق اس لئے کہ بڑھتے چاند کے دن مبارک ہیں اور گھٹتے چاند کے دن منحوس۔ یہ آسمان پر ظاہر ہونے والی قدرت کی جنتری ہے تاکہ اس کو دیکھ کر لوگ اپنے معاملات اور اپنی عبادات کا نظام مقرر کریں۔ اسی طرح بہت سے لوگ ظاہری رسوم کو دینداری سمجھ لیتے ہیں۔ قدیم عربوں نے یہ فرض کرلیا تھا کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد اپنے اور آسمان کے درمیان کسی چیز کا حائل ہونا آداب احرام کے خلاف ہے۔ اس مفروضہ کی بنا پر وہ ایسا کرتے کہ جب احرام باندھ کر گھر سے باہر آجاتے تو دوبارہ دروازہ کے راستہ سے گھر میں نہ جاتے بلکہ دیوار کے اوپر سے چڑھ کر صحن میں داخل ہوتے۔ مگر اس قسم کے ظاہری آداب کا نام دین داری نہیں۔ دین داری یہ ہے کہ آدمی اللہ سے ڈرے اور زندگی میں اس کی مقرر کی ہوئی حدوں کی پابندی کرے۔

مومن کو دین کا عامل بننے کے ساتھ دین کا مجاہد بھی بننا ہے۔ یہاں جس جہاد کا ذکر ہے وہ جہاد وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا۔ عرب کے مشرکین اتمام حجت کے باوجود دعوت رسالت سے انکار کرکے اپنے لئے زندگی کا حق کھو چکے تھے، نیز انھوں نے جارحیت کا آغاز کرکے اپنے خلاف فوجی اقدام کو درست ثابت کردیا تھا اس بنا پر ان کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم ہوا۔ "اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کا ہوجائے"۔ کا مطلب یہ ہے کہ سرزمین عرب سے شرک کا خاتمہ ہوجائے اور دین توحید کے سوا کوئی دین وہاں باقی نہ رہے۔ اس حکم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے عرب کو توحید کا دائمی مرکز بنادیا۔

اہل ایمان کو جنگ کی اجازت صرف اس وقت ہے جب کہ فریق مخالف کی طرف سے حملہ کا آغاز ہوچکا ہو۔ دوسرے یہ کہ جب اہل ایمان غلبہ پالیں تو اس کے بعد ماضی پر کسی کے لئے کوئی سزا نہیں۔ ہتھیار ڈالتے ہی ماضی کے جرائم معاف کردئے جائیں گے۔ اس کے بعد سزا کا مستحق صرف وہ شخص ہوگا جو آئندہ کسی قابل سزا جرم کا ارتکاب کرے۔ عام حالات میں قتل کا حکم اور ہے اور جنگی حالات میں قتل کا حکم اور۔

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہے اور حرمتوں کا بھی قصاص ہے۔ پس جس نے تم پر زیادتی کی تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اور کام اچھی طرح کرو۔ بے شک اللہ پسند کرتا ہے اچھی طرح کام کرنے والوں کو ۹۵ - ۱۹۴

حرام مہینوں (محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ) میں یا حرم مکہ کے حدود میں لڑائی گناہ ہے۔ مگر جب مخالفین اسلام تمھارے خلاف کارروائی کرنے کے لئے اس کی حرمت کو توڑ دیں تو تم کو بھی حق ہے کہ قصاص کے طور پر تم ان کی حرمت کا لحاظ نہ کرو۔ مگر دشمن کے ساتھ دشمنی میں تم کو اللہ سے بے خوف نہ ہو جانا چاہئے۔ کسی حد کو توڑنے میں تم اپنی طرف سے ابتدا نہ کرو اور نہ کوئی ایسا اقدام کرو جو حد ضروری سے زیادہ ہو۔ اللہ کی مدد کسی کو اسی وقت ملتی ہے جب کہ وہ اشتعال کے اوقات میں بھی اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کا پابند بنا رہے۔

قصاص اور ظلم میں یہ فرق ہے کہ قصاص فریق ثانی کی طرف سے کی ہوئی زیادتی کے برابر اور اس کے بقدر ہوتا ہے۔ جب کہ ظلم ان حدبندیوں سے باہر نکل جانے کا نام ہے۔ ایک شخص کو کسی سے تکلیف پہنچے تو وہ دوسرے کو اتنی ہی تکلیف پہنچا سکتا ہے جتنی اس کو پہنچی ہے اس سے زیادہ کی اجازت نہیں۔ نصیحت بری لگے تو گالی اور استہزاء سے اس کا جواب دینا یا زبان وقلم کی شکایت کے بدلے میں جارحیت دکھانا تقویٰ کے سراسر خلاف ہے۔ اسی طرح مالی نقصان کے بدلے جانی نقصان، معمولی چوٹ کے بدلے زیادہ بڑی چوٹ، ایک قتل کے بدلے بہت سے آدمیوں کا قتل، اس قسم کی تمام چیزیں ظلم کی تعریف میں آتی ہیں۔ مسلمان کے لئے برابر کا بدلہ (قصاص) جائز ہے مگر ظلم کسی حال میں جائز نہیں۔

اللہ کی راہ میں جدوجہد سب سے زیادہ جس چیز کا تقاضہ کرتی ہے وہ مال ہے۔ اور مال کی قربانی بلاشبہ آدمی کے لئے سب سے زیادہ مشکل چیز ہے۔ اس لئے حکم دیا کہ اللہ کے کام کو اپنا کام سمجھ کر اس کی راہ میں خوب مال خرچ کرو اور اس کام کو اس کی بہتر سے بہتر صورت میں انجام دو۔ "اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" سے مراد بخل ہے۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو، کیوں کہ خرچ میں دل تنگ ہونا دنیا و آخرت کی بربادی ہے۔ آدمی مال خرچ کرنے کو ہلاکت سمجھتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنا ہلاکت ہے۔ آدمی کے پاس جو کچھ ہے اگر وہ اس کو اللہ کے حوالے نہ کرے تو اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ کیوں اس کو آدمی کے حوالے کر دے گا۔

آدمی اپنی دولت کا استعمال صرف یہ سمجھتا ہے کہ وہ اس کو اپنی ذات پر یا اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرے۔ مگر اس ذہن کو قرآن ہلاکت بتاتا ہے۔ اس کے بجائے دولت کا صحیح استعمال یہ ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ دین کی ضرورتوں میں خرچ کیا جائے۔ مال کو صرف اپنے ذاتی حوصلوں کی تکمیل میں خرچ کرنا فرد اور معاشرہ کو خدا کے غضب کا مستحق بناتا ہے۔ اس کے برعکس جب مال کو اللہ کے دین کی راہ میں خرچ کیا جائے تو فرد اور جماعت دونوں اللہ کی رحمتوں اور نصرتوں کے مستحق بنتے ہیں۔ خرچ کرنے والے کو اس کا فائدہ بے شمار صورتوں میں دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے۔ پھر اگر تم گھر جاؤ تو جو قربانی کا جانور میسر ہو وہ پیش کردو اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ فدیہ دے روزہ یا صدقہ یا قربانی کا۔ جب امن کی حالت ہو اور کوئی حج تک عمرہ کا فائدہ حاصل کرنا چاہے تو وہ قربانی پیش کرے جو اس کو میسر آئے۔ پھر جس کو میسر نہ آئے تو وہ حج کے ایام میں تین دن کے روزے رکھے اور سات دن کے روزے جب کہ تم گھروں کو لوٹو۔ یہ پورے دس ہوئے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے جس کا خاندان مسجد حرام کے پاس آباد نہ ہو۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ حج کے متعین مہینے ہیں۔ پس جس نے حج کا عزم کر لیا تو پھر اس کو حج کے دوران نہ کوئی فحش بات کرنی ہے اور نہ گناہ کی اور نہ لڑائی جھگڑے کی۔ اور جو نیک کام تم کرو گے اللہ اس کو جان لے گا۔ اور تم تقویٰ کا زادِ راہ لو۔ بہترین زاد راہ تقویٰ کا زادِ راہ ہے۔ اور اے عقل والو مجھ سے ڈرو ۱۹۶ — ۹۷

زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بھی حج کا رواج تھا۔ مگر وہ ان کے لئے گویا ایک قومی رسم یا تجارتی میلہ تھا نہ کہ اللہ واحد کی عبادت۔ مگر حج و عمرہ ہو یا اور کوئی عبادت، ان کی اصل قیمت اسی وقت ہے جب کہ وہ خالصۃً اللہ کے لئے ادا کی جائیں۔ جو شخص اپنی روزانہ زندگی میں اللہ کا پرستار بنا ہوا ہو جب وہ اللہ کی عبادت کے لئے اٹھتا ہے تو اس کی ساری نفسیات سمٹ کر اسی کے اوپر لگ جاتی ہیں۔ وہ ایک ایسی عبادت کا تجربہ کرتا ہے جو ظاہری طور پر دیکھنے میں تو آداب و مناسک کا ایک مجموعہ ہوتی ہے، مگر اپنی اندرونی روح کے اعتبار سے وہ ایک ایسی ہستی کا اپنے آپ کو اللہ کے آگے ڈال دینا ہوتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور آخرت کی پکڑ کا اندیشہ جس کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بنا ہوا ہو۔

مومن وہ ہے جو شہوت کے لئے جینے کے بجائے مقصد کے لئے جینے لگے۔ وہ اپنے معاملات میں خدا کی نافرمانی سے بچنے والا ہو اور اجتماعی زندگی میں آپس کی لڑائی جھگڑے سے بچ رہا ہے۔ حج کا سفر ان اخلاقی اوصاف کی تربیت کے لئے بہت موزوں ہے، اس لئے اس میں خصوصی طور پر ان کی تاکید کی گئی۔ اسی طرح حج میں سفر کا پہلو لوگوں کو سامان سفر کے اہتمام میں لگا دیتا ہے۔ مگر اللہ کے مسافر کی سب سے بڑی زاد راہ تقویٰ ہے۔ ایک شخص سامان سفر کے پورے اہتمام کے ساتھ نکلے، دوسرا شخص اعتماد علی اللہ کا سرمایہ لے کر نکلے تو دوران سفر دونوں کی نفسیات یکساں نہیں ہو سکتیں۔

"اے عقل والو میرا تقویٰ اختیار کرو"، سے معلوم ہوا کہ تقویٰ ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق عقل سے ہے۔ تقویٰ کسی ظاہری ہیئت کا نام نہیں، یہ عقل یا شعور کی ایک حالت ہے۔ انسان جب شعور کی سطح پر اپنے رب کو پالیتا ہے تو اس کا ذہن اس کے بعد خدا کے جلال و جمال سے بھر جاتا ہے۔ اس وقت روح کی لطیف سطح پر جو کیفیات پیدا ہوتی ہیں انہیں کا نام تقویٰ ہے۔

اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرو۔ پھر جب تم لوگ عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو جس طرح اللہ نے بتایا ہے۔ اس سے پہلے یقیناً تم راہ بھٹکے ہوئے لوگوں میں تھے۔ پھر طواف کو چلو جہاں سے سب لوگ چلیں اور اللہ سے معافی مانگو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔ پھر جب تم اپنے حج کے اعمال پورے کر لو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح تم پہلے اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ پس کوئی آدمی کہتا ہے: اے ہمارے رب ہم کو اسی دنیا میں دے دے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔ اور کوئی آدمی ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ اور اللہ کو یاد کرو مقرر دنوں میں۔ پھر جو شخص جلدی کرکے دو دن میں مکہ واپس آجائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو شخص ٹھہر جائے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ یہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرے۔ اور تم اللہ سے ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تم اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے

۱۹۸ — ۲۰۳

اصل چیز اللہ کا تقویٰ ہے۔ کسی کے اندر یہ مطلوب حالت موجود ہو تو اس کے بعد حج کے دوران معاشی ضرورت کے تحت اس کا کچھ کاروبار کر لینا یا بعض مراسم حج کی ادائگی میں کسی کا آگے یا کسی کا پیچھے ہو جانا کوئی حرج پیدا نہیں کرتا۔ حج کے دوران جو فضا جاری رہنا چاہئے وہ ہے اللہ کا خوف، اللہ کی یاد، اللہ کی نعمتوں کا شکر، اللہ کے لئے حوالگی کا جذبہ۔ حج کے دوران کوئی ایسا فعل نہیں ہونا چاہئے جو ان کیفیات کے خلاف ہو۔ مثلاً کسی شخص یا گروہ کے لئے عبادت کی ادائگی میں امتیاز، آباؤ اجداد کے کارنامے بیان کرنا جو گویا بالواسطہ طور پر اپنے کو نمایاں کرنے کی ایک صورت ہے۔ یہ چیزیں ایک ایسی عبادت کے ساتھ بے جوڑ ہیں جو یہ بتاتی ہو کہ تمام انسان یکساں ہیں، جس میں اس بات کا اعلان کیا جاتا ہو کہ تمام بڑائی صرف اللہ کے لئے ہے۔ حج کے زمانہ میں بھی اگر آدمی ان چیزوں کی تربیت حاصل نہ کرے تو زندگی کے بقیہ لمحات میں وہ کس طرح ان پر قائم ہو سکے گا۔

دعائیں، خاص طور پر حج کی دعائیں، آدمی کی اندرونی حالت کا اظہار ہیں۔ کوئی شخص آخرت کی عظمتوں کو اپنے دل میں لئے ہوئے جی رہا ہو تو حج کے مقامات پر اس کے دل سے آخرت والی دعائیں ابلیں گی۔ اس کے برعکس جو شخص دنیا کی چیزوں میں اپنا دل لگائے ہوئے ہو، وہ حج کے مواقع پر اپنے خدا سے سب سے زیادہ جو چیز مانگے گا وہ وہی ہوگی جس کی تڑپ لئے ہوئے وہ وہاں پہنچا تھا۔ اور سب سے بہتر دعا تو یہ ہے کہ آدمی اپنے رب سے کہے کہ خدایا دنیا میں تیرے نزدیک جو چیز بہتر ہو وہ مجھ کو دنیا میں دیدے اور آخرت میں تیرے نزدیک جو چیز بہتر ہو وہ مجھ کو آخرت میں دے دے اور اپنے عذاب سے مجھ کو بچالے۔

"تم اسی کے پاس اکٹھا کئے جاؤ گے" یہ حج کا سب سے بڑا سبق ہے جو عرفات کے میدان میں دنیا بھر کے لاکھوں انسانوں کو بیک وقت جمع کرکے دیا جاتا ہے۔ عرفات کا اجتماع قیامت کے اجتماع کی ایک تمثیل ہے۔

اور لوگوں میں سے کوئی ہے کہ اس کی بات دنیا کی زندگی میں تم کو خوش لگتی ہے اور وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے۔ حالاں کہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیرتا ہے تو وہ اس کوشش میں رہتا ہے کہ زمین میں فساد پھیلائے اور کھیتوں اور جانوں کو ہلاک کرے۔ حالاں کہ اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو وقار اس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔ پس ایسے شخص کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ اور لوگوں میں کوئی ہے کہ اللہ کی خوشی کی تلاش میں اپنی جان کو بیچ دیتا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے ۲۰۴-۲۰۷

جو شخص مصلحت کو اپنا دین بنائے اس کی باتیں ہمیشہ لوگوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ کیوں کہ وہ لوگوں کی پسند کو دیکھ کر اس کے مطابق بولتا ہے نہ کہ یہ دیکھ کر کہ حق کیا ہے اور ناحق کیا۔ اس کے سامنے کوئی مستقل معیار نہیں ہوتا اس لئے وہ مخاطب کی رعایت سے ہر وہ انداز اختیار کر لیتا ہے جو مخاطب پر اثر ڈالنے والا ہو۔ حق کا وفادار نہ ہونے کی وجہ سے اس کے لئے یہ مشکل نہیں رہتا کہ دل میں کوئی حقیقی جذبہ نہ ہوتے ہوئے بھی وہ زبان سے خوبصورت باتیں کرے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے کہ بات کے اسٹیج پر وہ مصلح کے روپ میں نظر آتا ہے اور عمل کے میدان میں اس کی سرگرمیاں فساد کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس کی وجہ اس کا تضاد ہے۔ عملی نتائج ہمیشہ عمل سے پیدا ہوتے ہیں نہ کہ الفاظ سے۔ وہ اگرچہ زبان سے حق پرستی کے الفاظ بولتا ہے۔ مگر عمل کے اعتبار سے وہ جس سطح پر ہوتا ہے وہ صرف ذاتی مفاد ہے۔ یہ چیز اس کے قول و عمل میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ بات کے مقام سے ہٹ کر جب وہ عمل کے مقام پر آتا ہے تو اس کے مفاد کا تقاضا کھینچ کر اس کو ایسی سرگرمیوں کی طرف لے جاتا ہے جو صرف تخریب پیدا کرنے والی ہیں۔ یہاں وہ اپنے ذاتی فائدے کی خاطر دوسروں کا استحصال کرتا ہے۔ وہ عوامی مقبولیت حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو جذباتی باتوں کی شراب پلاتا ہے۔ وہ اپنی قیادت قائم کرنے کی خاطر پوری قوم کو داؤ پر لگا دیتا ہے۔ وہ تعمیر کے بجائے تخریب کی سیاست چلاتا ہے کیوں کہ اس طرح زیادہ آسانی سے عوام کی بھیڑ اپنے گرد اکٹھا کی جاسکتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا کے مفاد اور مصلحت کے ساتھ اپنی زندگی کا سودا کیا۔ حق واضح ہو جانے کے بعد بھی وہ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کیوں کہ اس میں ان کو اپنے وقار کا بت ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ ظاہری طور پر نرم باتوں کے پیچھے ان کی متکبرانہ نفسیات ان کو ایک ایسے داعی حق کے سامنے جھکنے سے روک دیتی ہے جس کو وہ اپنے سے چھوٹا سمجھتے ہیں۔

دوسرے لوگ وہ ہیں جو اللہ کی رضا کے ساتھ اپنی زندگی کا سودا کرتے ہیں۔ ایسا شخص اپنے عادات و خیالات سے دست بردار ہو کر خدا کی باتوں کو قبول کرتا ہے۔ وہ اپنے مال کو خدا کے حوالے کر کے اس کے بدلے بے مال بن جانے کو گوارا کر لیتا ہے۔ وہ رواجی دین کو رد کر کے خدا کے بے آمیز دین کو لیتا ہے، خواہ اس کی وجہ سے اس کو غیر مقبولیت پر راضی ہونا پڑے۔ وہ مصلحت پرستی کے بجائے اعلان حق کو اپنا شیوہ بناتا ہے، اگرچہ اس کے نتیجہ میں وہ لوگوں کے عتاب کا شکار ہوتا رہے۔

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ اگر تم پھسل جاؤ بعد اس کے کہ تمھارے پاس واضح دلیلیں آچکی ہیں تو جان لو کہ اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ کیا لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ بادل کے سائبانوں میں آئے اور فرشتے بھی آجائیں اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے اور سارے معاملات اللہ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔ بنی اسرائیل سے پوچھو، ہم نے ان کو کتنی کھلی کھلی نشانیاں دیں۔ اور جو شخص اللہ کی نعمت کو بدل ڈالے جب کہ وہ اس کے پاس آچکی ہو تو اللہ یقیناً سخت سزا دینے والا ہے۔ خوش نما کر دی گئی ہے دنیا کی زندگی ان لوگوں کی نظر میں جو منکر ہیں اور وہ ایمان والوں پر ہنستے ہیں۔ حالاں کہ جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان کے مقابلہ میں اونچے ہوں گے۔ اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب روزی دے دیتا ہے ۲۰۸ - ۱۲

اسلام کو اختیار کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ تحفظات اور مصلحتوں کا لحاظ کئے بغیر اس کو اپنایا جائے۔ اسلام جس چیز کو کرنے کو کہے اس کو کیا جائے اور جس چیز کو چھوڑنے کو کہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ یہ کسی آدمی کا پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اسلام کو اسی حد تک اختیار کرے جس حد تک اسلام اس کی زندگی سے ٹکراتا نہ ہو۔ وہ اس اسلام کو لے لے جو اس کے لئے مفید یا کم از کم بے ضرر ہو اور اس اسلام کو چھوڑے رہے جو اس کے محبوب عقائد، اس کی پسندیدہ عادات، اس کے دنیوی فائدے، اس کے شخصی وقار، اس کی قائدانہ مصلحتوں کو مجروح کرتا ہو۔ آدمی ابتداءً پوری طرح ارادہ کر کے اسلام کو اختیار کرتا ہے۔ مگر جب وہ وقت آتا ہے کہ وہ اپنے فکری ڈھانچہ کو توڑے یا اپنے مفاد کو نظر انداز کر کے اسلام کا ساتھ دے تو وہ پھسل جاتا ہے۔ وہ ایسے اسلام پر ٹھہر جاتا ہے جس میں اس کے مفادات بھی مجروح نہ ہوں اور اسلام کا تمغہ بھی ہاتھ سے جاتے نہ پائے۔

اسلام کے پیغام کی صداقت پر یقین کرنے کے لئے اگر وہ دلائل چاہتے ہیں تو دلائل پوری طرح دئے جا چکے ہیں۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کو معجزات دکھائے جائیں تو جو شخص کھلے کھلے دلائل کو نہ مانے اس کو چپ کرنے کے لئے معجزات بھی ناکافی ثابت ہوں گے۔ اس کے بعد آخری چیز جو باقی رہتی ہے وہ یہ کہ خدا اپنے فرشتوں کے ساتھ سامنے آجائے۔ مگر جب ایسا ہوگا تو وہ کسی کے کچھ کام نہ آئے گا۔ کیوں کہ وہ فیصلہ کا وقت ہوگا نہ کہ عمل کرنے کا۔ انسان کا امتحان یہی ہے کہ وہ دیکھے بغیر محض دلائل کی بنیاد پر مان لے۔ اگر اس نے دیکھ کر مانا تو اس ماننے کی کوئی قیمت نہیں۔

وہ لوگ جو مصلحتوں کو نظر انداز کر کے اسلام کو اپنائیں اور وہ لوگ جو مصلحتوں کی رعایت کرتے ہوئے مسلمان بنیں، دونوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے۔ پہلا گروہ اکثر دنیوی اہمیت کی چیزوں سے خالی ہو جاتا ہے جب کہ دوسرے گروہ کے پاس ہر قسم کی دنیوی رونقیں جمع ہو جاتی ہیں۔ یہ چیز دوسرے گروہ کو غلط فہمی میں ڈال دیتی ہے۔ وہ اپنے کو برتر خیال کرتا ہے اور پہلے گروہ کو حقیر سمجھنے لگتا ہے۔ مگر یہ صورت حال انتہائی عارضی ہے۔ موجودہ دنیا کو توڑ کر جب نیا بہتر نظام بنے گا تو وہاں آج کے بڑے پست کر دئے جائیں گے اور وہی لوگ بڑائی کے مقام پر نظر آئیں گے جن کو آج چھوٹا سمجھ لیا گیا تھا۔

لوگ ایک امت تھے۔ انھوں نے اختلاف کیا تو اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور ان کے ساتھ اتاری کتاب حق کے ساتھ تاکہ وہ فیصلہ کردے ان باتوں کا جن میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں۔ اور یہ اختلافات انھیں لوگوں نے کیے جن کو حق دیا گیا تھا، بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی کھلی ہدایات آچکی تھیں، آپس کی ضد کی وجہ سے۔ پس اللہ نے اپنی توفیق سے حق کے معاملہ میں ایمان والوں کو راہ دکھائی جس میں وہ جھگڑ رہے تھے اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر وہ حالات گزرے ہی نہیں جو تمھارے اگلوں پر گزر رہے تھے۔ ان کو سختی اور تکلیف پہنچی اور وہ ہلا مارے گئے۔ یہاں تک کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔ یاد رکھو، اللہ کی مدد قریب ہے ۲۱۳-۱۴

دین میں اختلاف تعبیر وتشریح کے اختلاف سے شروع ہوتا ہے۔ ہر ایک اپنے ذہنی سانچہ کے مطابق خدا کے دین کا ایک تصور قائم کر لیتا ہے۔ ایک ہی کتاب ہدایت کو مانتے ہوئے بھی لوگوں کی رائیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔ اس وقت اللہ اپنے چنے ہوئے بندے کے ذریعہ امر حق کا اعلان کراتا ہے۔ یہ آواز اگرچہ انسان کی زبان میں ہوتی ہے اور بظاہر عام آدمیوں جیسے ایک آدمی کے ذریعہ بلند کی جاتی ہے۔ تاہم جو سچے متلاشی حق ہیں وہ اس کے اندر شامل خدائی گونج کو پہچان لیتے ہیں اور اپنے اختلاف کو بھول کر فوراً اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو اپنے خود ساختہ دین کے ساتھ اپنے کو اتنا زیادہ وابستہ کر چکا ہوتا ہے کہ اس کے اندر یہ جذبہ ابھر آتا ہے کہ میں دوسرے کی بات کیوں مانوں۔ اس کے اندر ضد کی نفسیات پیدا ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اسی چیز کا انکار کر دیتا ہے جس کا وہ اپنے خیال کے مطابق علم بردار بنا ہوا تھا۔

حق جب روشن دلائل کے ساتھ آجائے اور اس کے باوجود آدمی اس کا ساتھ نہ دے تو اس کی وجہ ہمیشہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی کو نظر آتا ہے کہ اس کا ساتھ دینے میں اس کی خوش گمانیوں کا محل ڈھ جائے گا۔ اس کے مفادات کا نظام ٹوٹ جائے گا۔ اس کی آسودہ زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اس کا وقار باقی نہیں رہے گا۔ مگر یہی وہ چیز ہے جو اللہ کو اپنے وفادار بندوں سے مطلوب ہے۔ جس راستہ کی دشواریوں سے گھبرا کر آدمی اس پر آنا نہیں چاہتا وہی وہ راستہ ہے جو جنت کی طرف لے جانے والا ہے۔ جنت کی واحد قیمت آدمی کا اپنا وجود ہے۔ آدمی اپنے وجود کو فکر وعمل کے جن نقشوں کے حوالے کیے ہوئے ہے وہاں سے اکھاڑ کر جب وہ اس کو خدا کے نقشہ میں لانا چاہتا ہے تو اس کی پوری شخصیت ہل جاتی ہے۔ اس میں اس وقت اور زیادہ اضافہ ہو جاتا ہے جب کہ اس کے ساتھ وہ خدا کے دین کا داعی بن کر کھڑا ہو جائے۔ داعی بننا بالفاظ دیگر دوسروں کے اوپر ناصح اور ناقد بننا ہے اور اپنے خلاف نصیحت اور تنقید کو سننا ہر زمانہ میں انسان کے لیے مبغوض ترین امر رہا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مدعو کی طرف سے اتنا شدید ردعمل سامنے آتا ہے جو داعی کے لیے ایک بھونچال سے کم نہیں ہوتا۔

لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو تو اس میں حق ہے تمھارے ماں باپ کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو بھلائی تم کروگے وہ اللہ کو معلوم ہے۔ تم پر لڑائی کا حکم ہوا ہے اور وہ تم کو گراں معلوم ہوتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ تمھارے لئے بھلی ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لئے بری ہو۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ۱۶ — ۲۱۵۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس کے جان اور مال کے استعمال کا بہترین مصرف اس کے بیوی بچے ہیں، وہ اپنے اثاثہ کو اپنے ذاتی حوصلوں اور تمناؤں میں لٹا کر خوش ہوتا ہے۔ اس کے برعکس شریعت یہ کہتی ہے کہ اپنے جان اور مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ دونوں مدیں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔ ایک خود اپنے اوپر خرچ کرنا ہے اور دوسرا غیروں کے اوپر۔ ایک اپنی طاقت کو دنیا کی ظاہری چیزوں کے حصول پر لگانا ہے اور دوسرا آخرت کی نظر نہ آنے والی چیزوں پر۔ مگر انسان کو جو چیز ناپسند ہے وہی اللہ کی نظر میں بھلائی ہے۔ کیوں کہ وہ اس کی اگلی وسیع تر زندگی میں اس کو نفع دینے والی ہے۔ اور انسان کو جو چیز پسند ہے وہ اللہ کی نظر میں برائی ہے۔ کیوں کہ اس کا جو کچھ فائدہ ہے اسی عارضی دنیا میں ہے، آخرت میں اس سے کسی کو کچھ ملنے والا نہیں۔

یہی اصول زندگی کے تمام معاملات کے لئے صحیح ہے ——— آدمی آزاد اور بے قید زندگی کو پسند کرتا ہے، حالاں کہ اس کی بھلائی اس میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو اللہ کی رسی میں باندھ کر رکھے۔ آدمی اپنی تعریف کرنے والے کو دوست بناتا ہے، حالاں کہ اس کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اس شخص کو اپنا دوست بنائے جو اس کی غلطیوں کو اسے بتاتا ہو۔ آدمی ایک حق کو ماننے سے انکار کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ اس طرح اس نے لوگوں کی نظر میں اپنے وقار کو بچالیا۔ حالاں کہ اس کے لئے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اپنی عزت کو خطرہ میں ڈال کر کھلے دل سے حق کا اعتراف کرلے۔ آدمی محنت اور قربانی والے دین سے بے رغبت رہتا ہے اور اس دین کو لے لیتا ہے جس میں معمولی باتوں پر جنت کی خوش خبری مل رہی ہو۔ حالاں کہ اس کے لئے زیادہ بہتر تھا کہ وہ محنت اور قربانی والے دین کو اختیار کرتا۔ آدمی "زندگی" کے مسائل کو اہمیت دیتا ہے، حالاں کہ زیادہ بڑی عقل مندی یہ ہے کہ آدمی "موت" کے مسائل کو اہمیت دے۔

"اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان سطحی جذبات و محرکات سے بلند ہے جن سے بلند نہ ہونے کی وجہ سے انسان کی رائے متاثر رائے بن جاتی ہے، وہ صحیح رخ کو چھوڑ کر غلط رخ کی طرف مڑ جاتا ہے۔ اللہ کا فیصلہ ہر قسم کی غیر متعلق چیزوں کی ملاوٹ سے پاک ہے۔ وہ بے آمیز فیصلہ ہے۔ اس لئے اس کے برحق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ انسان کے فیصلے طرح طرح کی نفسیاتی پیچیدگیوں سے مغلوب رہتے ہیں۔ وہ پست محرکات کے زیر اثر رائیں قائم کرتا ہے۔ اس لئے انسان کی رائے اکثر اوقات نہ مبنی برحق ہوتی ہے اور نہ مطابق واقعہ۔ خدا جو کہے اسی کو تم حق سمجھو اور اس کے مقابلہ میں اپنے خیال کو چھوڑ دو۔

لوگ تم سے حرمت والے مہینہ کی بابت پوچھتے ہیں کہ اس میں لڑنا کیسا ہے۔ کہہ دو کہ اس میں لڑنا بہت برا ہے۔ مگر اللہ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے لوگوں کو اس سے نکالنا، اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ بڑی برائی ہے۔ اور یہ لوگ تم سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمھارے دین سے پھیر دیں اگر قابو پائیں۔ اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں مرجائے تو ایسے لوگوں کے عمل ضائع ہوگئے دنیا میں اور آخرت میں۔ اور وہ آگ میں پڑنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۲۱۷ — ۱۸

رجب ۲ھ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں کے ایک دستہ اور مشرکین قریش کی ایک جماعت کے درمیان ٹکراؤ ہوگیا۔ یہ واقعہ مکہ اور طائف کے درمیان نخلہ میں پیش آیا۔ قریش کا ایک آدمی مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ یہ جمادی الثانی کی ۳۰ تاریخ ہے۔ مگر چاند ۲۹ کا ہوگیا تھا اور وہ رجب کی پہلی تاریخ تھی۔ رجب کا مہینہ ماہ حرام میں شمار ہوتا ہے اور صدیوں کے رواج سے اس معاملہ میں عربوں کے جذبات بہت شدید تھے۔ اس طرح مخالفین کو موقع مل گیا کہ وہ مسلمانوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کریں کہ یہ لوگ حق پرستی سے آشنا دور ہیں کہ حرام مہینوں کی حرمت کا بھی خیال نہیں کرتے۔ جواب میں کہا گیا کہ ماہ حرام میں لڑنا یقیناً گناہ ہے۔ مگر مسلمانوں سے یہ فعل تو بھول سے اور اتفاقاً ہوگیا اور تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ جان بوجھ کر اور مستقل طور پر تم اس سے کہیں زیادہ بڑے جرم کر رہے ہو۔ تمھارے درمیان اللہ کی پکار بلند ہوئی ہے مگر تم اس کو ماننے سے انکار کر رہے ہو اور دوسروں کو بھی اس کو اختیار کرنے سے روکتے ہو۔ تمھارے ضد اور عناد کا یہ حال ہے کہ اللہ کے بندوں کے اوپر اللہ کے گھر کا دروازہ بند کرتے ہو، ان کو ان کے اپنے گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتے ہو۔ حتیٰ کہ جو لوگ اللہ کے دین کی طرف بڑھتے ہیں ان کو طرح طرح سے ستاتے ہو تاکہ وہ اس کو چھوڑ دیں۔ حالاں کہ کسی کو اللہ کے راستہ سے ہٹانا اس کو قتل کر دینے سے بھی زیادہ برا ہے ——— اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑا جرم ہے کہ آدمی خود بڑی بڑی برائیوں میں مبتلا ہو اور دوسرے کی ایک معمولی خطا کو پا جائے تو اس کو شہرت دے کر اس کو بدنام کرے۔

مخالفتوں کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ دین پر قائم رہنے کے لئے ان کو جہاد کی حد تک جانا پڑتا ہے۔ مگر موجودہ دنیا میں ایسا ہونا ضروری ہے۔ یہ ایک دو طرفہ عمل ہے جو خدا پرستوں اور خدا دشمنوں کو ایک دوسرے سے الگ کرتا ہے۔ اس طرح ایک طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ کے نہیں بلکہ اپنی ذات کے پجاری ہیں۔ جو اپنے ذاتی مفاد کے لئے اللہ سے بے خوف ہو کر اللہ کے بندوں کو ستاتے ہیں۔ دوسری طرف اسی واقعہ کے درمیان ایمان اور ہجرت اور جہاد کی نیکیاں ظہور میں آتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ ہیں جنھوں نے حالات کی شدت کے باوجود اللہ پر اپنے بھروسہ کو باقی رکھا اور کس نے اس کو کھو دیا۔

کچھ تفسیر کے بارے میں

حضرت مسیح ایک انسان تھے، وہ الٰہ نہ تھے۔ اس بات کو منطقی انداز میں ثابت کرنا ہو تو اہل منطق قضیے قائم کریں گے۔ مثلاً وہ کہیں گے :

پہلا قضیہ : خدا مادہ یا جسم نہیں۔ جو جسم نہ رکھتا ہو وہ کھانا نہیں کھاتا، اس لئے خدا کھانا نہیں کھاتا۔

دوسرا قضیہ : خدا کھانا نہیں کھاتا۔ مسیح کھانا کھاتے تھے۔ اس لئے مسیح خدا نہیں تھے۔

یہ منطقی انداز میں بات کو ثابت کرنے کی ایک مثال ہے، مگر اسی بات کو قرآن میں ان لفظوں میں کہا گیا ہے :

مسیح ابن مریم صرف ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں اور ان کی ماں ایک صدیقہ تھیں دونوں کھانا کھاتے تھے (مائدہ ۷۵)

قرآن اگرچہ اعلیٰ ترین علمی کتاب ہے مگر اس میں کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے معروف علمی وفنی انداز نہیں اختیار کیا جاتا۔ قرآن کا طریقہ یہ ہے کہ فنی آداب اور علمی تفصیلات کو چھوڑ کر اصل بات کو مؤثر اسلوب میں بیان کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کا مقصد تذکیر ونصیحت ہے اور تذکیر ونصیحت کے لئے ہمیشہ سادہ اسلوب کار آمد ہوتا ہے نہ کہ فنی اسلوب۔

تاہم یہ ایک طالب علمانہ ضرورت ہے کہ قرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک آدمی قرآن کے بیانات کی علمی تفصیلات اور اس کے فنی پہلوؤں کو جاننا چاہے۔ ایسی حالت میں یہ سوال ہے کہ قرآن کی تفسیر کے لئے کیا انداز اختیار کیا جائے۔ اگر قرآن کے اپنے سادہ اسلوب میں تفسیر کی جاتی ہے تو اس کا یہ فائدہ ہوگا کہ تفسیر میں نصیحت و تذکیر کی فضا باقی رہے گی۔ مگر علمی تقاضوں کی رعایت نہ ہو سکے گی۔ دوسری طرف اگر علمی پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے تفسیر لکھی جائے تو خاص طبائع کو وہ پسند آ سکتی ہے مگر یہ صرف قرآن کے اصل مقصد — تذکیر و موعظت — کو مجروح کرنے کی قیمت پر ہوگا۔

اس مسئلہ کا ایک حل یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ جو تفسیر شائع کی جائے وہ خود تو نصیحت اور تذکیر کے انداز میں ہو۔ اس کے بعد ایک مستقل کتاب قرآنی انسائیکلوپیڈیا یا قاموس القرآن کے طور پر شائع کی جائے۔ اس دوسری کتاب میں وہ تمام علمی، تاریخی اور فنی بحثیں ہوں۔ مثلاً حضرت ابراہیم سے متعلق آیات کے ذیل میں اصل تفسیر میں آپ کی زندگی کے انھیں پہلوؤں کی وضاحت ہو جن کی طرف قرآن میں اشارے کئے گئے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے بارے میں جو تاریخی اور اثریاتی تحقیقات ہیں ان کو قرآنی انسائیکلوپیڈیا میں لفظ "ابراہیم" کے ذیل میں جمع کیا جائے۔ اسی طرح فقہی، کلامی اور لسانی مسائل کی تفصیلات بھی انسائیکلوپیڈیا میں درج ہوں نہ کہ قرآن کی تفسیر میں۔

ہم نے اسی نہج پر قرآن کی خدمت کا ارادہ کیا ہے۔ اولاً تذکیر القرآن کے نام سے تفسیر مرتب کی جا رہی ہے۔ اس کے بعد انشاء اللہ قرآنی انسائیکلوپیڈیا کی ترتیب کا کام کیا جائے گا۔ اللہ اس مقصد کو تکمیل تک پہنچائے۔ آمین

اپنے خلاف تنقید کو پسند کرنا

ابن المبارک نے موسیٰ بن ابو عیسیٰ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بنی حارثہ کے پانی (مشربہ) پر آئے۔ وہاں انھوں نے محمد بن مسلمہ کو پایا۔ آپ نے پوچھا: اے محمد! تم میری بابت کیسا خیال کرتے ہو۔ انھوں نے کہا: "آپ کو خدا کی قسم میں ویسا ہی خیال کرتا ہوں جیسا کہ مجھے پسند ہے اور جیسا کہ وہ آدمی پسند کرے گا جو آپ کے لئے بھلائی کو پسند کرتا ہو۔ میں دیکھتا ہوں آپ مال کے جمع کرنے میں قوی ہیں۔ خود اس سے پرہیز کرتے ہیں۔ اس کی تقسیم میں انصاف کرتے ہیں۔" اس کے بعد محمد بن مسلمہ نے کہا: "اور اگر آپ کجی اختیار کریں گے تو ہم آپ کو اسی طرح سیدھا کر دیں گے جس طرح تیر سوراخ میں ڈال کر سیدھا کیا جاتا ہے۔" خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

الحمد للہ الذی جعلنی فی قوم اذا ملت عدلونی — اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو ایسی قوم میں بنایا کہ اگر میں کج روی کروں تو وہ مجھ کو سیدھا کر دیں (کنز العمال)

نفرت اور محبت سے اوپر اٹھ کر معاملہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے ہجرت کی تو اس وقت کعبہ کی کلید (کنجی) عثمان بن طلحہ کے پاس تھی جو قدیم زمانہ سے ان کے خاندان میں چلی آرہی تھی۔ ہجرت سے پہلے آپؐ نے ایک بار کعبہ کی کلید عثمان بن طلحہ سے مانگی تو انھوں نے دینے سے انکار کیا اور آپؐ کو سخت سست کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تمام ناگوار باتوں کو برداشت کرلیا اور صرف یہ فرمایا: اے عثمان! شاید تم دیکھو گے کہ یہ کلید ایک روز میرے ہاتھ میں ہوگی اور میرے اختیار میں ہوگا کہ میں جس کو چاہوں اسے دوں۔" عثمان بن طلحہ نے کہا: "وہ دن قریش کی ذلت و ہلاکت کا دن ہوگا جب کعبہ کی کلید تمھارے جیسے آدمی کے ہاتھ میں آجائے۔" فتح مکہ کے بعد جب آپ کو غلبہ حاصل ہوگیا، آپ نے کعبہ کی کلید منگوائی کلید آپ کے ہاتھ میں تھی کہ آپ کے چچازاد بھائی اور داماد علی بن ابی طالب کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ کلید آپ مجھ کو دے دیں۔ آپؐ نے علی بن ابی طالب کو کوئی جواب نہیں دیا۔ آپؐ نے کہا: عثمان بن طلحہ کہاں ہیں۔ وہ آئے تو آپ نے فرمایا:

هاك مفتاحك يا عثمان۔ اليوم يوم بر و وفاء — اے عثمان! یہ اپنی کلید لو۔ آج کا دن نیکی کا اور وعدہ پورا کرنے کا دن ہے۔ (زاد المعاد)

جہالت کے مقابلہ میں صبر اور بردباری

زید بن سعنہ رضؓ مدینہ کے ایک یہودی عالم تھے جو بعد کو مسلمان ہوگئے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میں نے ان کے چہرہ پر نبوت کی تمام علامتیں پالیں۔ تاہم دو علامت باقی رہ گئی تھی۔ یہ کہ ان پر بردباری غالب رہے گی۔ کسی کا جہالت میں زیادتی کرنا آپ کی بردباری کو اور زیادہ بڑھائے گا۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ ایک روز میں نے دیکھا کہ آپؐ نکل رہے ہیں اور آپؐ کے ساتھ علی بن ابی طالبؓ بھی ہیں۔ اتنے میں ایک آدمی اونٹ پر سوار ہو کر آیا۔ وہ بظاہر بدوی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا اے خدا کے رسولؐ، میری جماعت فلاں قریہ میں اسلام لا چکی ہے۔ میں نے ان سے کہا تھا کہ

اگر تم اسلام لاؤ گے تو تم پر رزق کی وسعت ہو جائے گی۔ اب وہاں قحط پڑ گیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ لالچ میں اسلام کو چھوڑ نہ دیں جس طرح لالچ میں انھوں نے اس کو اختیار کیا تھا۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی طرف کچھ بھیج دیجئے تاکہ ان کی اعانت ہو۔ آپ نے علی بن ابی طالبؓ کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا: اے خدا کے رسولؐ اس مال میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا۔ زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں نے قریب جاکر کہا "اے محمدؐ! اگر آپ چاہیں تو کھجوروں کے معاوضہ میں مجھ سے رقم لے لیں"۔ آپ نے اتفاق فرمایا اور میں نے ۸۰ مثقال سونا آپ کو ادا کیا جو آپ نے سارا کا سارا اس آدمی کے حوالہ کر دیا۔ آپ نے فرمایا: ان کی مدد کرو اور انصاف کے مطابق ان کے درمیان تقسیم کر دو۔

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میعاد سے دو تین دن پہلے میں نے پھر آپ کو ایک دیوار کے قریب پالیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے بہت سے اصحاب بھی تھے۔ میں آپ کے پاس پہنچا۔ میں نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا اور سختی کے ساتھ بولا: اے محمدؐ! میرا حق کیوں نہیں ادا کرتے۔ خدا کی قسم جہاں تک میں جانتا ہوں سارے بنو عبد المطلب ٹال مٹول کرنے والے ہیں"۔ عمر رضی اللہ عنہ اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ یہ سن کر سخت غصہ میں آگئے انھوں نے کہا: اے خدا کے دشمن! تم رسول اللہ صلعم کے لئے وہ کلمات کہہ رہے ہو جو میں سن رہا ہوں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر آپؐ کا لحاظ نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر توڑ دیتا"۔ تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل سکون کے ساتھ مجھے دیکھتے رہے۔ پھر آپؐ نے عمر رضی اللہ عنہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یاعمر، انا وھو کنا احوج الی غیر ھذا، ان تامرنی بحسن الاداء وتامرہ بحسن التقاضی۔ اذھب بہ یاعمر، فاعطہ حقہ وزدہ عشرین صاعا من تمر مکان مارعتہ (طبرانی، ابن ماجہ)

اے عمر! میں اور زید دونوں کسی اور رویہ کے زیادہ مستحق تھے۔ تم مجھ سے بہتر ادائگی کے لئے کہتے اور زید سے بہتر تقاضے کے لئے۔ اے عمر، ان کو لے جاؤ۔ ان کا حق ادا کردو اور ۲۰ صاع کھجور زیادہ دینا۔ کیوں کہ تم نے ان کو ڈرایا دھمکایا ہے۔

غصہ پی جانا ایمان کو بڑھاتا ہے

عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مامن جرعۃ احب الی اللہ من جرعۃ غیظ یکظمھا عبد۔ ماکظم عبد للہ الاملأ اللہ جوفہ ایمانا (احمد)

اللہ کے نزدیک سب سے بہتر گھونٹ یہ ہے کہ بندہ اپنے غصہ کو پی جائے۔ جب بھی کوئی بندہ اللہ کے لئے غصہ کو پی جاتا ہے تو اللہ اس کے باطن کو ایمان سے بھر دیتا ہے

خوشامد اور تعریف سے کوئی اثر نہ لیتا

ابو نعیم نے جبیر بن نفیر کے واسطہ سے نقل کیا ہے۔ کچھ لوگوں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا: خدا کی قسم ہم نے کسی کو نہیں دیکھا جو آپ سے زیادہ انصاف کرنے والا ہو، حق بات کہنے والا ہو اور منافقین کے اوپر سخت ہو۔ اے امیر المومنین! آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر انسان ہیں"۔ عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بھی

مجلس میں موجود تھے۔ انھوں نے یہ سن کر کہا: خدا کی قسم تم لوگوں نے جھوٹ کہا۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان سے زیادہ بہتر کو دیکھا ہے۔" انھوں نے پوچھا: اے عوف وہ کون ہے۔ عوف بن مالک رضنے کہا: "ابوبکرؓ" عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "عوف نے سچ کہا اور تم لوگ جھوٹ بولے۔ خدا کی قسم۔ ابوبکر مشک سے زیادہ خوشبودار تھے اور میں اپنے گھر کے اونٹوں سے بھی زیادہ بھٹکا ہوا ہوں (واللہ لقد کان ابوبکر اطیب من ریح المسک و انا اضل من بعیر اھلی، ابن کثیر)

منھ پر تعریف کرنا ہلاکت ہے

ابن ابی الدنیا نے حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے۔ ایک شخص عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور آپ کی تعریف کرنے لگا آپ نے فرمایا: تھلکنی و تھلک نفسک تو مجھ کو ہلاک کرتا ہے اور خود بھی ہلاک ہوتا ہے (کنز العمال جلد ۲)

تعریف سے غلط فہمی میں نہ پڑنا

ضبہ بن محصن غنوی تابعی کہتے ہیں۔ میں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا: انت خیر من ابی بکر (آپ ابوبکرؓ سے بہتر ہیں) یہ سن کر وہ رو دئے۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم ابوبکر کی ایک رات انسان کا ایک دن عمر کی تمام زندگی سے بہتر ہے کیا میں تم کو بتاؤں کہ وہ رات اور دن کون سے ہیں۔ میں نے کہا: ہاں اے امیر المومنین۔ انھوں نے کہا۔ ان کی رات تو وہ ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ والوں سے بھاگ کر رات کو نکلے اور ابوبکر ان کے ساتھ تھے۔ ان کا دن وہ ہے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور عرب مرتد ہوگئے۔ انھوں نے کہا، ہم نماز پڑھیں گے مگر زکوٰۃ نہ دیں گے۔ میں ابوبکر رض کے پاس آیا اور کہا، اے خلیفہ رسول! ان لوگوں سے نرمی کا برتاؤ کیجئے۔ انھوں نے جواب دیا: تم زمانۂ جاہلیت میں بہادر تھے، اب تم زمانۂ اسلام میں بزدل ہوگئے۔ خدا کی قسم میں اس وقت تک ان سے جہاد کروں گا جب تک میرے ہاتھ میں تلوار پکڑنے کی طاقت ہے اگر انھوں نے ایک رسی دینے سے بھی انکار کیا۔" (کنز العمال جلد ۳)

صاحب حق کی سختی کو برداشت کرنا برکت کا باعث ہے

ابن ماجہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک اعرابی آیا۔ اس نے آپ سے اپنے قرض کا مطالبہ کیا جو آپ کے ذمہ تھا۔ اس نے تقاضہ کرتے ہوئے کہا: اگر آپ نے ادا نہ کیا تو میں آپ کے ساتھ سختی کروں گا۔ آپ کے اصحاب نے اس اعرابی کو ڈانٹا اور کہا: تجھ پر افسوس ہے۔ کیا تو جانتا نہیں کہ تو کس سے بات کر رہا ہے۔ اس نے کہا: انی اطلب حقی (میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ھلا مع صاحب الحق کنتم تم لوگ صاحب حق کے ساتھ کیوں نہ ہوئے۔ پھر آپؐ نے خولہ بنت قیس کے پاس آدمی بھیج کر کہلایا کہ اگر تمھارے پاس کھجوریں ہوں تو ہم کو ادھار دے دو۔ ہمارے پاس کھجوریں آئیں گی تو ہم ادا کر دیں گے۔ چنانچہ ان سے کھجوریں لے کر اعرابی کو دیں اور اس کو کھانا بھی کھلایا۔ اعرابی نے کہا: آپ نے وفا کی، اللہ بھی آپ کے ساتھ وفا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جو حق کو خندہ

پیشانی سے ادا کرتے ہیں۔ پھر فرمایا:

لا قدس اللہ امۃ لا یاخذ ضعیفھا حقہ من شدیدھا ولا یتعتعہ (الترغیب والترہیب)

اللہ اس امت کو بابرکت نہیں کرتا جس میں اس کا کمزور اس کے قوی سے اپنا حق بلا زحمت نہ لے سکے۔

تعریف سے خود پسندی کے بجائے تواضع پیدا ہونا

ابو نعیم نے نافع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ایک شخص عبد اللہ بن عمرؓ کے سامنے ان کی تعریف کرنے لگا اور کہا: یا خیر الناس، یا ابن خیر الناس (اے لوگوں میں بہتر، اے لوگوں میں بہتر کے بیٹے) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

ما انا بخیر الناس ولا ابن خیر الناس۔ ولکنی عبد من عباد اللہ ارجو اللہ تعالیٰ واخافہ۔ واللہ لن تزالوا بالرجل حتی تھلکوہ (حلیۃ الاولیاء جلد ۱)

میں لوگوں میں بہتر نہیں ہوں نہ لوگوں میں بہتر کا بیٹا ہوں۔ بلکہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اللہ سے امید لگائے ہوئے ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں۔ خدا کی قسم تم آدمی کی تعریف کر کر کے اس کو ہلاک کر دو گے۔

اس معاشرہ میں کوئی بھلائی نہیں جہاں نصیحت کو برا مانا جائے

ابن عساکر نے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے کہا: تمہارا آج کا معروف گزرے ہوئے زمانہ کا منکر ہے۔ اور تمہارا آج کا منکر آنے والے زمانہ کا معروف ہوگا۔ بے شک تم لوگ اس وقت تک حق پر رہو گے جب تک تم منکر کو پہچانتے رہو گے اور معروف کا انکار نہ کرو گے۔ اور جب تک تمہارا یہ حال رہے گا کہ تمہارا عالم کھڑا ہو کر تم کو نصیحت کرے گا اور اس کو ہلکا نہ سمجھا جائے گا۔ (وما قام عالمکم یتکلم بینکم غیر مستخف، کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۴۰)

حکمراں سے ٹکرانے کے بجائے اپنے دائرہ میں کام کرنا

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ابوذر! جب ایسا ہوگا کہ تمہارے امیر عام لوگوں سے زیادہ حصہ لیں گے، اس وقت تم کیا کرو گے۔ حضرت ابوذرؓ نے جواب دیا: اے خدا کے رسولؐ میں تلوار سے کام لوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم تلوار سے کام لینے کے بجائے صبر سے کام لینا۔ یہاں تک کہ تم (آخرت میں) میرے پاس آجاؤ" حضرت ابوذرؓ اگرچہ حق گوئی سے کبھی نہ رکے مگر انھوں نے حاکم وقت کے خلاف کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ یہاں تک کہ وہ اس دنیا سے چلے گئے۔

نصیحت کی بات کہنے میں کسی کا خوف نہ کرو

تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اس امر میں حقیر نہ سمجھے کہ وہ کسی بات کو دیکھے جس کے متعلق اس کا فرض ہو کہ وہ امر حق کو ظاہر کرے، مگر اپنی کمزوری کے خیال سے وہ چپ رہے۔ قیامت میں جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوگا اور وہ اس موقع کو بھول چکا ہوگا، خدا اس سے پوچھے گا: تو نے سچائی کی بات کیوں نہ کہی۔ وہ کہے گا کہ پروردگار لوگوں کے ڈر سے۔ خدا فرمائے گا: کیا خدا تیرے سامنے نہ تھا جس سے تو ڈرتا۔ (ابن ماجہ)

پیغمبر اسلام

(انگریزی سے ترجمہ)

مسلم مورخین کے مطابق، محمدؐ ۲۰ اپریل ۵۷۱ کو عرب کے صحرا میں پیدا ہوئے۔ آپ کے نام کا مطلب ہے "بہت تعریف کیا ہوا"۔ میرے نزدیک وہ تمام فرزندانِ عرب میں سب سے زیادہ عالی دماغ انسان تھے۔ سرخ ریت کے اس ناقابلِ عبور صحرا میں جتنے شاعر اور بادشاہ ان سے پہلے یا ان کے بعد ہوئے، ان سب پر وہ بدرجہا زیادہ فوقیت رکھتے تھے۔ محمدؐ کا ظہور ہوا تو عرب ایک صحرا تھا، وہ کچھ بھی نہ تھا۔ خالی صحرا سے محمدؐ کی طاقت ور روح نے ایک نئی دنیا بنائی۔ نئی زندگی، نیا کلچر، نئی تہذیب اور نئی سلطنت پیدا کی جو مراکش سے انڈیز تک پھیلی ہوئی تھی اور جس نے تین براعظموں (ایشیا، افریقہ، یورپ) کے خیالات اور زندگی کو متاثر کیا۔

میری اس تحریر کا موضوع ایک ایسے مذہب کے اصولوں کی بابت لکھنا ہے جو کہ تاریخی ہے اور اس کا پیغمبر بھی ایک تاریخی شخصیت ہے۔ سر ولیم میور جیسا ایک معاند ناقد بھی قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"دنیا میں غالباً قرآن کے سوا کوئی دوسری کتاب نہیں ہے جس کا متن بارہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس درجہ خالص صورت میں محفوظ ہو"۔ میں یہ بھی اضافہ کروں گا کہ حضرت محمدؐ ایک تاریخی شخصیت ہیں۔ آپ کی زندگی کا ہر واقعہ نہایت احتیاط سے منضبط کیا گیا ہے حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی تفصیلات بھی آئندہ نسلوں کے لئے محفوظ کر دی گئی ہیں۔ آپ کی زندگی اور آپ کا کام پُراسراریت کے پردہ میں چھپا ہوا نہیں ہے۔ یہ ضرورت نہیں ہے کہ ایک شخص صحیح معلومات کے لئے اس مشکل مہم کو سر کرے کہ وہ بھس کے ڈھیر میں سے چھان کر سچائی کے دانے نکالے۔

میرا کام اس لئے بھی ہلکا ہو چکا ہے کہ وہ زمانہ اب بہت تیزی سے رخصت ہو رہا ہے جب کہ کچھ ناقدین سیاسی اور غیر سیاسی وجوہ سے اسلام کو بہت بگاڑ کر پیش کرتے تھے۔ پروفیسر بیوان "کیمبرج میڈیول ہسٹری" میں لکھتے ہیں "محمدؐ اور اسلام کے بارے میں کتابیں جو یورپ میں ۱۹ ویں صدی کے آغاز سے پہلے چھپی تھیں آج ان کو محض قلمی عجوبے سمجھا جاتا ہے"۔ مثال کے طور پر اسلام اور تلوار کا نظریہ آج کہیں بھی قابل لحاظ نہیں سمجھا جاتا۔ اسلام کا یہ اصول کہ مذہب میں کوئی زبردستی نہیں، آج سب کو پوری طرح معلوم ہے۔ مشہور مورخ گبن نے لکھا ہے "مسلمانوں کی طرف ایک مجرمانہ اصول منسوب کیا جاتا رہا ہے کہ ہر مذہب کو تلوار کے زور سے ختم کر دیا جائے"۔ مگر گبن کہتا ہے کہ جہالت اور تعصب کا یہ الزام قرآن سے، مسلم فاتحین کی تاریخ سے نیز مسلم عوام کے رویہ سے غلط ثابت ہوتا ہے جو کہ ہمیشہ قانونی اور سماجی طور پر مسیحی عبادت کے ساتھ رواداری کا طریقہ اختیار کرتے رہے ہیں۔ محمدؐ کی زندگی کی عظیم کامیابی صرف اخلاقی طاقت کے ذریعہ ہوئی، تلوار کی کسی مار کے بغیر۔

۲

قدیم زمانہ میں عربوں کا یہ حال تھا کہ اتنی معمولی سی بات پر وہ چالیس سال تک لڑتے رہتے کہ ایک قبیلہ کا ایک اونٹ بھٹک کر دوسرے قبیلہ کی چراگاہ میں چلا گیا۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے ستر ہزار آدمی مارے گئے

اور خطرہ پیدا ہو گیا کہ دونوں قبیلوں کی نسل ختم ہو جائے گی۔ ایسے جھگڑالو عربوں کو پیغمبر اسلام نے خود انضباطی اور تنظیم کی تعلیم یہاں تک دی کہ میدان جنگ میں بھی ان کو نماز پڑھنے کا حکم دیا۔

صلح کے لئے آپ کا منصوبہ جب بار بار کوشش کے باوجود ناکام ہو گیا تو ایسے حالات پیدا ہوئے جو آپ کو کھینچ کر میدان جنگ میں لے آئے۔ آپ کا یہ اقدام محض دفاع کے لئے تھا، تاہم انھوں نے میدان جنگ کے پورے طریق عمل کو بالکل بدل دیا۔ ان کی پوری زندگی میں جو لڑائیاں ہوئیں، ان سب میں مرنے والوں کی مجموعی تعداد، جب کہ پورا جزیرہ نمائے عرب ان کے جھنڈے کے نیچے آگیا، چند سو سے زیادہ نہیں۔ انھوں نے عرب وحشیوں کو نماز پڑھنا سکھایا، محض انفرادی طور پر نہیں، بلکہ اجتماعی طور پر، حتیٰ کہ انھوں نے ہدایت کی کہ جنگ کے طوفان میں بھی اپنے خدا کے آگے سجدہ کرو۔ جب بھی عبادت کا وقت آجائے، اور یہ روزانہ پانچ وقت آتا ہے، تو اجتماعی عبادت چھوڑی نہیں جا سکتی، حتیٰ کہ ملتوی بھی نہیں کی جا سکتی۔ لشکر کا ایک حصہ اگر دشمنوں سے مقابلہ میں مصروف رہے تو اس کا دوسرا حصہ اپنے خدا کے سامنے اپنے سروں کو جھکا دے۔ جب ایک فریق اپنی عبادت ختم کرلے تو وہ مورچہ سنبھال لے اور دوسرا فریق آکر اپنی عبادت کرے۔

وحشت و بربریت کے زمانہ میں میدان جنگ تک پر انسانیت کا اصول جاری کیا گیا۔ سخت ہدایات جاری کی گئیں کہ خیانت نہ کی جائے۔ دھوکا نہ دیا جائے۔ عہد کو توڑا نہ جائے۔ ہاتھ پاؤں نہ کاٹے جائیں۔ عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ پھل دار درختوں کو نہ کاٹا جائے اور نہ جلایا جائے۔ عبادت گاہوں میں عبادت کرنے والے لوگوں پر زیادتی نہ کی جائے۔ پیغمبر کا خود اپنا طرز عمل اپنے سخت ترین دشمنوں کے ساتھ نمونہ کا طرز عمل تھا۔ مکہ کی فتح کے بعد ان کو پورا اقتدار حاصل ہو گیا تھا، وہ شہر جس نے آپ کا پیغام سننے سے انکار کر دیا تھا۔ جس نے آپ کے اوپر اور آپ کے ساتھیوں کے اوپر شدید ظلم کئے تھے۔ جس نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ جب آپ اپنا وطن چھوڑ کر دو سو میل دور (مدینہ) چلے گئے، اس وقت بھی انھوں نے آپ کا بائیکاٹ کرنے اور آپ کو تکلیفیں پہنچانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ آج وہ شہر مکہ آپ کے قدموں کے نیچے تھا۔ جنگ کے مسلمہ قوانین کے مطابق وہ ان تمام مظالم کا بدلہ لے سکتے تھے جو آپ پر اور آپ کے لوگوں پر کئے گئے تھے۔ مگر آپ نے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ محمدؐ کا دل رحم اور محبت کے دودھ سے بھر گیا۔ آپ نے اعلان کیا:

آج تمہارے اوپر کوئی الزام نہیں، آج تم سب آزاد ہو۔

یہ ان مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا کہ کیوں آپ نے دفاع میں جنگ کرنے کی اجازت دی ـــــ اس لئے تاکہ انسانوں کو متحد کیا جا سکے۔ اور جب یہ مقصد حاصل ہو گیا تو آپ کے بدترین دشمن تک معاف کر دیئے گئے۔ وہ لوگ جنھوں نے آپ کے محبوب چچا حمزہؓ کو قتل کیا تھا، ان کے مردہ جسم کا مثلہ کیا تھا وہ بھی آپ کی مہربانیوں سے محروم نہ رہے۔

عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا اصول جس کی آپ نے تبلیغ کی وہ انسانیت کی سماجی ترقی میں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں۔ تمام بڑے مذاہب نے اس قسم کے اصولوں کی تبلیغ کی ہے مگر پیغمبر اسلام نے اس نظریہ کو حقیقی عمل کی صورت

دے دی اور اس کی اہمیت شاید کچھ دنوں بعد پوری طرح سمجھی جا سکے جب کہ بین اقوامی شعور جاگے گا، نسلی تعصبات ختم ہو جائیں گے اور انسانی اخوت کا ایک طاقت ور نظریہ وجود میں آجائے گا۔ سروجنی نائیڈو اسلام کے اس پہلو پر بولتی ہوئی کہتی ہیں: "وہ پہلا مذہب تھا جس نے جمہوریت کی تبلیغ کی اور اس کو عمل کی صورت دی۔ کیوں کہ مسجد میں جب اذانیں بلند ہوتی ہیں اور نمازی ایک ساتھ جمع ہوتے ہیں تو اسلام کی جمہوریت روزانہ پانچ بار مجسم ہوتی ہے جب کہ معمولی آدمی اور بادشاہ ایک صف میں شامل ہو کر جھکتے ہیں اور کہتے ہیں: "خدا سب سے بڑا ہے"۔ ہندوستان کی یہ مشہور شاعرہ مزید لکھتی ہے: "میں اسلام کی اس ناقابل تقسیم وحدت کو دیکھ کر بار بار حیران ہوتی ہوں جو کہ آدمی کو طبعی طور پر بھائی بھائی بنا دیتی ہے۔ جب آپ ایک مصری، ایک الجیریائی، ایک ہندستانی یا ترکی سے لندن میں ملتے ہیں تو ان میں جو فرق ملے گا وہ صرف اتنا سا کہ ایک کی پیدائش مصر میں ہوئی اور دوسرے کی ہندستان میں"۔

مہاتما گاندھی اپنے ناقابل تقلید انداز میں لکھتے ہیں "کسی نے کہا ہے کہ جنوبی افریقہ کے لوگ اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں —— وہ اسلام جس نے اسپین کو مہذب بنایا، وہ اسلام جو روشنی کی شمع کو مراکش تک لے گیا اور دنیا کو اخوت کا مقدس پیغام دیا۔ جنوبی افریقہ کے یورپی لوگ اسلام کے ظہور سے ڈر رہے ہیں کیوں کہ اسلام آئے گا تو وہ کالوں اور گوروں میں برابری کا اعلان کرے گا۔ ان کو اس سے ڈرنا ہی چاہئے۔ اگر اخوت ایک گناہ ہے، اگر مختلف نسلوں میں برابری وہ چیز ہے جس سے وہ ڈرتے ہیں تب ان کا ڈر بالکل بجا ہے۔"

ہر سال حج کے موسم میں دنیا اسلام کے اس حیرت ناک بین اقوامی مظاہرہ کو دیکھتی ہے جو کہ نسل، رنگ اور رتبہ کے تمام فرق کو برابر کر دیتا ہے۔ نہ صرف یورپی، افریقی، ایرانی، ہندستانی، چینی سب کے سب ایک خدائی خاندان کے ممبر کی حیثیت سے مکہ میں ملتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک قسم کے لباس پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہر آدمی معمولی سفید بغیر سلے ہوئے کپڑے کے دو ٹکڑے لپیٹے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک ٹکڑا کمر کے گرد اور دوسرا ٹکڑا کندھے کے اوپر۔ اسی کے ساتھ ننگے سر، بغیر کسی رسم اور کسی دھوم دھام کے اور یہ آواز لگاتے ہوئے "میں حاضر ہوں، خدایا میں حاضر ہوں، تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ حکم صرف تیرا ہی ہے"۔ اس طرح یہاں ایسی کوئی چیز باقی نہیں رہتی جو چھوٹے اور بڑے کے درمیان فرق کرے اور ہر حاجی یہ احساس لے کر گھر واپس آتا ہے کہ اسلام ایک بین اقوامی اہمیت رکھنے والا دین ہے۔ پروفیسر ہر گرونجی کے الفاظ میں "اقوام کی جمعیت جو پیغمبر اسلام نے بنائی، اس نے بین اقوامی اتحاد اور انسانی اخوت کے اصول کو ایسی عالمی سطح پر قائم کیا ہے جو دوسری قوموں کو روشنی دکھانے والا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ دنیا کی کوئی بھی دوسری قوم اتحاد اقوام کے لئے اس کے برابر کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

پیغمبر اسلام نے جمہوری حکومت کو اس کی بہترین صورت میں قائم کیا۔ خلیفہ عمرؓ، خلیفہ علیؓ، جو پیغمبر کے داماد بھی تھے، خلیفہ منصور عباسی جو خلیفہ مامون کے بیٹے تھے اور دوسرے بہت سے خلفاء اور سلاطین اسلامی عدالتوں میں معمولی آدمی کی طرح حاضر ہوئے۔ آج بھی ہم سب جانتے ہیں کہ کالے نیگروؤں کے ساتھ مہذب سفید نسلوں کا سلوک کیا ہوتا ہے۔ اب بلالؓ کی بابت غور کرو جو چودہ سو سال پہلے پیغمبر اسلام کے زمانے میں ایک نیگرو غلام تھے۔ نماز کے

لئے اذان دینے کا کام ابتدائی اسلام کے زمانے میں ایک عزت کا کام سمجھا جاتا تھا اور یہ باعزت کام اس نیگرو غلام کے سپرد کیا گیا تھا۔ مکہ فتح ہونے کے بعد، پیغمبر نے ان کو حکم دیا کہ وہ نماز کے لئے اذان دیں۔ اور یہ نیگرو غلام، اپنے کالے رنگ اور اپنے موٹے ہونٹوں کے ساتھ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا، جو کہ اسلامی دنیا میں سب سے زیادہ تاریخی اور سب سے زیادہ مقدس جگہ ہے۔ اس وقت کچھ مغرور عرب تکلیف کے ساتھ بولے: "اُف، یہ کالا حبشی غلام، برا ہو اس کا۔ وہ مقدس کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوا ہے اذان دینے کے لئے"۔

غرور اور تعصب کا یہ مزاج پیغمبر اسلام ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے آپ نے اس کا جواب دیتے ہوئے اپنی ایک تقریر میں کہا: ساری حمد اور شکر اللہ کے لئے ہے جس نے ہم کو جاہلیت کے زمانہ کے فخر اور برائی سے نجات بخشی۔ اے لوگو یاد رکھو، تمام انسان صرف دو قسموں میں بٹے ہوئے ہیں، متقی اور اللہ سے ڈرنے والے جو اللہ کے پسندیدہ بندے ہیں۔ دوسرے گنہ گار اور سخت دل جو اللہ کے نزدیک حقیر اور بے قیمت ہیں۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم کو خدا نے مٹی سے پیدا کیا تھا"۔ یہی بات قرآن میں اس طرح کہی گئی ہے: اے لوگو ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنا دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ یقیناً اللہ کے نزدیک تمہارا سب سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پوری طرح خبردار ہے (حجرات)

پیغمبر اسلام نے اس طرح اتنی زبردست تبدیلی پیدا کی کہ وہ لوگ جو خالص عرب تھے اور اعلیٰ ترین خاندان سے تعلق رکھتے تھے، انھوں نے اپنی لڑکیاں اس نیگرو غلام کے لئے شادی میں پیش کیں۔ اسلام کے دوسرے خلیفہ جو عمر فاروق کے نام سے مشہور ہیں، جب وہ اس نیگرو غلام کو دیکھتے تو وہ فوراً ان کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان الفاظ کے ساتھ ان کا استقبال کرتے: "یہ ہمارے معلم آگئے، یہ ہمارے سردار آگئے"۔ قرآن اور محمدؐ کے ذریعہ کیسا حیرت ناک انقلاب تھا جو عربوں کے درمیان آیا، وہ عرب جو اس زمانہ میں سب سے زیادہ مغرور قوم کی حیثیت رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ عظیم ترین جرمن شاعر گوئٹے نے قرآن پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا: "یہ کتاب تمام زمانوں میں سب سے زیادہ مؤثر کتاب کی حیثیت سے باقی رہے گی"۔ اور یہی وجہ ہے کہ برنارڈ شا کو یہ کہنا پڑا "اگر کوئی مذہب ہے جو انگلینڈ، نہیں بلکہ یورپ پر اگلے.. سال کے اندر حکومت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو وہ اسلام ہے"۔

اسلام کی یہی جمہوری اسپرٹ ہے جس نے عورت کو مرد کی غلامی سے نکالا— سر چارلس ایڈورڈ آرچیبالڈ ہملٹن نے کہا ہے: "اسلام بتاتا ہے کہ انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں ایک ہی جوہر سے پیدا ہوئے ہیں، دونوں کے اندر ایک ہی روح ہے اور دونوں ذہنی، روحانی اور اخلاقی ترقی کی یکساں قابلیت رکھتے ہیں"۔ عربوں کے یہاں یہ زبردست روایت چلی آرہی تھی کہ وراثت کا حق دار وہی ہے جو برچھا چلا سکتا ہے اور تلوار کے قبضہ کو پکڑنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مگر اسلام صنف نازک کا حامی بن کر ظاہر ہوا اور عورتوں کو یہ حق دیا کہ وہ اپنے سرپرستوں کی وراثت میں حصہ دار بن سکتی ہیں۔ اسلام بہت پہلے عورت کو یہ حق دے چکا تھا کہ وہ جائداد کی مالک بن سکتی ہیں۔ اس کے بارہ صدیوں بعد ایسا ہو سکا کہ ۱۸۸۱ میں انگلستان نے، جو کہ جمہوریت کا گہوارہ سمجھا جاتا ہے، اسلام کی اس تعلیم کو

اختیار کیا اور وہاں ایک قانون پاس ہوا جس کا نام تھا شادی شدہ عورتوں کا قانون (دی میرڈ ویمنز ایکٹ) مگر صدیوں پہلے پیغمبر اسلام یہ اعلان کر چکے تھے کہ "عورتیں مرد کا نصف ثانی ہیں۔ عورتوں کا حق ہر حال میں محترم ہے۔" "نگرانی رکھو کہ عورتوں کو وہ حق ملتا رہے جو ان کو دیا گیا ہے۔"

۳

اسلام براہ راست طور پر سیاسی اور اقتصادی نظام سے تعلق نہیں رکھتا۔ مگر بالواسطہ طور پر اور جہاں تک سیاسی اور اقتصادی معاملات انسان کے طور طریقے اور اخلاقیات کو متاثر کرتا ہے، وہ اقتصادی زندگی کے لئے کچھ نہایت اہم اصول مقرر کرتا ہے۔ پروفیسر میسی نن کے مطابق، اسلام مبالغہ آمیز انتہاؤں کے درمیان توازن کو برقرار رکھتا ہے اور ہمیشہ کردار کی تعمیر پر زور دیتا ہے جو کہ تہذیب کی بنیاد ہے۔ اس کی ضمانت چند بنیادی احکام کے ذریعہ کی گئی ہے —— اس کا وراثت کا قانون، زکوٰۃ کا نظم اور لازمی نظام، اقتصادی میدان میں تمام سماج دشمن طریقوں کو غیر قانونی قرار دینا جیسے اجارہ داری، سود، پیشگی طور پر سٹے کی ہوئی اور بغیر کمائی ہوئی آمدنیاں، بازار کا سب سامان خرید لینا، ذخیرہ اندوزی، کسی چیز کی مصنوعی قلت پیدا کرنا تاکہ قیمتوں میں اضافہ ہو۔ اسی طرح جوا غیر قانونی ہے۔ اس کے برعکس تعلیم گاہوں، عبادت خانوں، اسپتالوں، کنووں، یتیم خانوں کو امداد دینا بہت بڑی نیکی قرار دیا گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی بار ایسا ہوا کہ پیغمبر اسلام کی تعلیم کے تحت یتیم خانے قائم ہوئے۔ دنیا اپنے یتیم خانوں کے لئے اسی پیغمبر اسلام کی احسان مند ہے جو خود بھی ایک یتیم تھے۔ کارلائل نے محمدؐ کے بارے میں لکھا ہے: "یہ تمام خوبیاں، انسانیت کی فطری آواز، پارسائی اور مساوات، فطرت کے اس صحرائی فرزند کے دل میں جاگزیں ہونے کی وجہ سے، آشکارا تھیں۔"

ایک مورخ نے کہا ہے کہ کسی عظیم انسان کا امتحان تین باتوں کی روشنی میں لینا چاہئے۔ کیا وہ اپنے معاصرین کی رائے میں حقیقی طور سے اونچے اخلاق کا حامل تھا؟ کیا وہ واقعتہً اتنا عظیم تھا کہ اپنے زمانہ کے معیاروں سے بھی بلند ہو گیا ہو؟ کیا اس نے اپنے بعد آنے والی دنیا کے لئے کوئی مستقل میراث چھوڑی؟ اس فہرست کو مزید بڑھایا جا سکتا ہے، لیکن یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ پیغمبر محمدؐ عظمت کے اس معیار پر اعلیٰ ترین درجہ میں پورے اترتے ہیں۔ آخری دو باتوں کے بارے میں پہلے ہی اشارہ کیا جا چکا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا پیغمبر اسلام کو ان کے معاصرین نے حقیقتہً اونچے اخلاق کا حامل پایا۔ تاریخی دستاویز بتاتی ہیں کہ محمد کے تمام معاصرین، دوست ہوں یا دشمن، سبھی نے ان کی پاک خوبیوں، بے داغ امانت داری، عظیم اچھائیوں، زندگی کے تمام شعبوں میں کامل اخلاص اور امانت کو تسلیم کیا ہے۔ یہاں تک کہ یہودی، اور وہ لوگ بھی جو کہ آپ کے پیغام کو نہ مانتے تھے، وہ بھی اپنے ذاتی اختلافات کے سلسلے میں آپ کی انتہائی غیر جانب داری کی وجہ سے آپ کو ثالث مانتے تھے۔ یہاں تک کہ جو آپ کے پیغام کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ بھی یہ کہنے پر مجبور تھے: "اے محمدؐ ہم تم کو جھوٹا نہیں کہتے، بلکہ جس نے آپ کو کتاب اور پیغام دیا ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔" ان کا خیال تھا کہ آپؐ

پر کسی چیز کا سایہ ہے۔ انھوں نے آپ کے علاج کے لئے تشدد کو بھی اپنایا۔ لیکن ان میں جو عمدہ ترین لوگ تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک نیا نور آپ پر نازل ہوا ہے اور انھوں نے اس نور کو پانے کے لئے پیش قدمی کی۔ پیغمبر اسلام کی تاریخ کا قابل ذکر واقعہ ہے کہ آپؐ کے قابل ترین رشتہ دار، چچا زاد بھائی، آپؐ کو قریب سے جاننے والے عزیز دوست، سب پر آپ کے پیغام کا گہرا اثر ہوا اور سب آپ کے خدائی الہام کی صداقت سے متاثر ہوئے۔ اگر یہ شریف ذی عقل، صاحب علم اور آپ کی ذاتی زندگی کو قریب سے جاننے والے مرد اور عورت آپ کے اندر ذرہ برابر بھی حیلہ سازی، دھوکہ، دنیا داری یا ایمان کی کمی پاتے تو اخلاقی زندگی، روحانی بیداری اور اجتماعی اصلاح کے بارے میں محمدؐ کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہوتا اور ساری عمارت چند لمحوں میں ٹوٹ کر زمین پر آرہتی۔ اس کے برعکس ہم پاتے ہیں کہ آپ کے ماننے والے آپ پر اتنا زیادہ فدا تھے کہ خود اختیاری طور پر انھوں نے آپ کو اپنی زندگی کا قائد مان لیا تھا۔ انھوں نے آپ کی خاطر ظلم اور بھوک کا مقابلہ کیا۔ شدید ترین تشدد اور قبیلہ سے اخراج کی وجہ سے انتہائی ذہنی کرب کے باوجود آپ کے لئے ان لوگوں کا ایمان، بھروسہ، اطاعت اور تعظیم برقرار رہی۔ اگر انھوں نے اپنے لیڈر میں ذرا سی بھی خامی دیکھی ہوتی تو کیا ایسا ہو سکتا تھا۔

اسلام کے ابتدائی مومنین کی تاریخ پڑھئے تو بے گناہ مردوں اور عورتوں پر ہونے والے ظلم سے ہر دل پگھل اٹھے گا۔ معصوم عورت سمیہ کو نیزے مار مار کر ٹکڑے کر دیا گیا۔ خباب بن ارت کو جلتے ہوئے کوئلے پر لیٹنے پر مجبور کیا گیا۔ اور وہ بھی اس حال میں کہ بے رحم ظالم اپنا پیر ان کے سینے پر رکھے ہوئے تھا، تاکہ وہ حرکت نہ کر سکیں جس کی وجہ سے ان کی جلد کے اندر کی چربی پگھل گئی۔ خباب بن عدی کو ظالمانہ طور سے جسم کے ایک حصہ کو کاٹ کر اور ان کا زندہ گوشت تراش کر ہلاک کیا گیا اور جب اس ظلم کے درمیان ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ یہ تمنا نہیں کرتے کہ خود محمدؐ ان کی جگہ ہوتے جو کہ اس وقت اپنے گھر میں اپنے خاندان کے ساتھ تھے۔ اس حالت میں بھی مظلوم نے چیخ کر کہا کہ اگر محمدؐ کو کانٹا بھی چبھے تو وہ خود کو اور اپنے پورے خاندان کو قربان کر دیں گے تاکہ آپ کو کانٹے کی تکلیف نہ ہو۔ اس قسم کے درجنوں دل سوز واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات کیا ظاہر کرتے ہیں؟ ایسا کیوں ہوا کہ اسلام کے ان مرد عورت جان نثاروں نے نہ صرف اپنا ایمان محمدؐ کے حوالے کر دیا، بلکہ انھوں نے اپنے جسموں، دلوں اور روحوں کو بھی آپ پر نچھاور کر دیا۔ کیا محمدؐ کے قریب ترین معتقدین کا یہ مضبوط ایمان و یقین اس بات کی اعلیٰ ترین گواہی نہیں ہے کہ آپ اپنے پیغام کے بارے میں مخلص تھے اور اپنے کام میں انتہائی حد تک خود کو کھپائے ہوئے تھے۔

اور یہ لوگ معمولی حیثیت یا کمتر ذہنی سطح کے لوگ نہیں تھے۔ بالکل ابتدائی دور سے ہی، آپ کے گرد کہ کا مکھن جمع ہو گیا تھا۔ یہ شریف ترین لوگ تھے جو کہ منصب، جاہ، ثروت اور ثقافت کے مالک تھے۔ ان میں آپ کے قریبی رشتہ دار بھی تھے جو کہ آپ کی زندگی کے داخلی اور خارجی پہلوؤں سے خوب واقف تھے۔ اور آپ کے بعد اسلام کے پہلے چار خلیفہ بھی اسی ابتدائی زمانہ کے مومنین میں سے تھے جنھوں نے عظیم ذمہ داریاں اٹھائیں۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کا کہنا ہے کہ "محمد تمام نبیوں اور دینی شخصیات میں سب سے زیادہ کامیاب ہیں۔" (کے۔ ایس راما کرشنا راؤ)

جب الفاظ کے ذخیرے ختم ہوجائیں گے

فرشتے جن کی جان اس حالت میں لیتے ہیں کہ وہ اپنے حق میں برا کر رہے ہیں، وہ اطاعت ظاہر کریں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہ کرتے تھے۔ کیوں نہیں، اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ اب جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ کے لئے۔ کیسا برا ٹھکانا ہے غرور کرنے والوں کا۔ اور جو لوگ پرہیز گار ہیں ان سے کہا جاتا ہے کہ تمھارے رب نے کیا اتارا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نیک بات۔ جنھوں نے بھلائی کی ان کے لئے اس دنیا میں بھلائی ہے اور آخرت کا گھر اور زیادہ بہتر ہے۔ کیا خوب گھر ہے پرہیز گاروں کا۔ باغ ہیں ہمیشہ رہنے کے جن میں وہ جائیں گے۔ ان باغوں کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی۔ ان کے واسطے وہاں ہے جو وہ چاہیں۔ اس طرح اللہ بدلا دیتا ہے پرہیزگاروں کو جن کی روح فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاکیزہ ہیں۔ فرشتے ان سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو، تم داخل ہو جاؤ بہشت میں، بدلہ اس کا جو تم کرتے تھے (نحل ۳۲ — ۲۸)

انسان دیکھنے میں تو سب بظاہر ایک ہی قسم کے دکھائی دیتے ہیں۔ وہی جسم اور ہاتھ پاؤں جو ایک میں ہے وہی دوسرے میں بھی ہے۔ مگر ظاہری جسم کے اندر جو چھپی ہوئی روح ہے وہ دو انسانوں میں اتنی مختلف ہوتی ہے کہ ایک شخص جہنم کا مستحق ہو جاتا ہے اور دوسرا جنت کا۔

ایک وہ انسان ہے جس کے اندر طیب اور متقی روح ہے۔ اس کے کانوں میں حق کی آواز پڑتی ہے تو وہ فوراً اس کو پہچان لیتا ہے۔ یہ آواز اگرچہ انسانی لفظوں میں ہوتی ہے مگر اس میں شامل ربانی گونج کو وہ سن لیتا ہے۔ وہ اس کو اپنے پورے وجود کے ساتھ اپنا لیتا ہے۔ اپنے آپ کو پوری طرح اس کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔ دوسرا انسان وہ ہے جس کے اندر ظالم اور متکبر روح ہے۔ اس کے سامنے حق کی آواز آتی ہے تو وہ بالکل مختلف ردعمل کا اظہار کرتا ہے۔ اس کی متکبرانہ نفسیات کسی دوسرے کے آگے جھکنے پر راضی نہیں ہوتی وہ اپنی ظالمانہ زندگی کی اصلاح کرنا نہیں چاہتا اس لئے وہ حق کی آواز کو طرح طرح سے مشتبہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

دنیا کی زندگی میں اس بات کا فیصلہ نہیں ہوپاتا کہ دونوں میں سے کون حق پر ہے اور کون ناحق پر۔ حق کا داعی اپنی بات کو لفظوں میں کہتا ہے اور دوسرا شخص نہایت آسانی سے ایسے الفاظ پالیتا ہے جن کو بول کر وہ حق کے داعی کی حیثیت کو مشتبہ ظاہر کرسکے۔ مگر موت کے آتے ہی اچانک یہ صورت حال ختم ہو جاتی ہے۔ وہ ظالم اور متکبر لوگ جن کے الفاظ کے ذخیرے موت سے پہلے ختم نہ ہوتے تھے، وہ موت کے فرشتوں کو دیکھتے ہی سارے پچھلے الفاظ بھول جاتے ہیں اور فوراً اطاعت کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ مگر یہ اطاعت ان کے کام نہیں آتی۔ وہ جہنم میں دھکیل دئے جاتے ہیں تاکہ وہاں ہمیشہ جلتے رہیں۔ اس کے برعکس طیب اور متقی انسانوں کے لئے موت کے فرشتوں کا آنا اس بات کی خدائی تصدیق بن جاتا ہے کہ جس چیز کو حق سمجھ کر وہ اس کے لئے اپنے کو ہلکان کر رہے تھے وہ فی الواقع حق تھی۔ اللہ ان کی زندگی کو قبول کر لیتا ہے اور ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں تاکہ وہ اس میں ابدی عیش کریں۔

عصری اسلوب میں اسلامی لٹریچر

مولانا وحید الدین خاں کے قلم سے



دین کیا ہے
صفحات ۳۲ قیمت ۱/۵۰

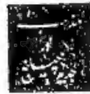


ظہورِ اسلام
صفحات ۲۰۰ قیمت ۱۲/-



تاریخ کا سبق
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مذہب اور جدید چیلنج
صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۳/۵۰





زلزلۂ قیامت
صفحات ۶۴ قیمت ۳/-



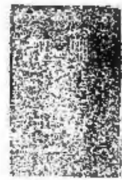
اسلامی دعوت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-



تعمیرِ ملت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-



عقلیاتِ اسلام
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-



الاسلام
صفحات ۱۸۴ قیمت ۱۲/-

قرآن کا مطلوب انسان
صفحات ۸۰ قیمت ۲/۲۵



تجدیدِ دین
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

اسلام دینِ فطرت
صفحات ۴۸ قیمت ۲/-

مکتبہ الرسالہ جمعیتہ بلڈنگ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

MAKTABA AL-RISALA, Jamiat Building, Qasimjan Street, Delhi-6

عربی مطبوعات

مولانا وحید الدین خاں کی کتابوں کے بعض عربی ترجمے (مطبوعہ قاہرہ) برائے فروخت مکتبہ الرسالہ میں موجود ہیں :

۱- الإسلام يتحدى	(ساتواں ایڈیشن)	۲۶۳	صفحات	قیمت	۲۰	روپے
۲- الدين في مواجهة العلم	(چوتھا ایڈیشن)	۱۱۲	صفحات	"	۱۰	روپے
۳- حكمة الدين	(دوسرا ایڈیشن)	۸۷	صفحات	"	۸	روپے
۴- الإسلام والعصر الحديث	(دوسرا ایڈیشن)	۷۷	صفحات	"	۸	روپے
۵- مسئوليات الدعوة	(تیسرا ایڈیشن)	۳۹	صفحات	"	۲	روپے
۶- نحو تدوين جديد للعلوم الإسلامية		۲۶	صفحات	"	۲	روپے
۷- إمكانات جديدة للدعوة		۳۴	صفحات	"	۲	روپے
۸- الشريعة الإسلامية وتحديات العصر		۳۲	صفحات	"	۲	روپے
۹- المسلمون بين الماضي والحال والمستقبل		۷۲	صفحات	"	۵	روپے
۱۰- نحو بعث إسلامي		۳۲	صفحات	"	۵۰	پیسے

REGD. R. N. NO. 28822/76
REGD. D. (D.) NO. 532

December 1979
Issue No. 37

AL-RISALA MONTHLY

JAMIAT BUILDING, QASIMJAN STREET, DELHI 110006 INDIA PHONE 262331